مطبوعات نمبر ۲

سوراجی اسلام

دائرہ طلوع اسلام بلیماران دہلی

قیمت فی پرچہ ۲ آنے

مطبوعات دائرہ طلوع اسلام

الحمدللہ کہ دائرہ طلوع اسلام کی مطبوعات نے تھوڑے ہی عرصہ میں کافی شہرت حاصل کرلی ہے۔ وارد ہا اسکیم کے تین ایڈیشن نکل چکے۔ گفتگوئے مصالحت دوبارہ طبع کرائی گئی اس طرح دیگر رسائل بھی ہاتھوں ہاتھ نکل رہے ہیں۔ ان مطبوعات کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کا نفع کسی فرد واحد کو نہیں پہونچتا۔ بلکہ اسکو طلوع اسلام کی ترقی اور دیگر تالیفات پر صرف کیا جاتا ہے۔

اسلامی معاشرت

مشہور متکلم اسلام مولانا غلام احمد صاحب پرویز نے اس رسالہ میں صحیح اسلامی معاشرتی زندگی کا خاکہ کھینچ کر رکھ دیا ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم انسانی زندگی کو کس سانچہ میں ڈھالنا چاہتا ہے اگر آپ اپنی زندگی کا نصب العین معلوم کرکے اپنی سیرت کی تشکیل قرآن کریم کی مدد سے کرنا چاہتے ہیں تو اسے ضرور ملاحظہ کیجیے۔ قیمت ۴ر محصولڈاک ار

وارد ہا کی تعلیمی اسکیم اور مسلمان

از جناب رازی، اس کا چوتھا ایڈیشن بھی جو کئی ہزار کی تعداد میں چھپا تھا ختم ہو رہا ہے ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے اس کی مانگ جاری ہے۔

قیمت مع محصول ۱۰ر

متحدہ قومیت اور مولانا حسین احمد صاحب

یہ رسالہ "متحدہ قومیت اور مولانا حسین احمد صاحب" کا مدلل اور مسکت جواب ہے جس میں شرح و بسط کیساتھ مولانا مدنی کے دلائل کا جواب کتاب و سنت کی روشنی میں دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اسلام میں متحدہ قومیت کا تصور کیا ہے، اور فرنگی لغت میں اسکی کیا تشریح ہے۔ مغرب کے ایجاد کردہ قومی تصور میں کیا کیا مفاسد پوشیدہ ہیں یہ کتاب آجکل کے جملہ قومی و سیاسی مباحث کیلئے قول فیصل کا حکم رکھتی ہے۔ قیمت ۲ر علاوہ محصول

ناظم طلوع اسلام بلیماران دہلی

زبان کا مسئلہ

از جناب رازی۔ اس رسالہ میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ کانگرسی اور غیر کانگرسی ہندو کس طرح اُردو کو تباہ کرکے ہندی اور سنسکرت کو ہندوستان کی قومی زبان بنا رہے ہیں۔ کانگرسی حکومتوں کے سرکاری ریکارڈ سے بتایا گیا ہے کہ ہندو وزیر اُردو کو برباد کرنے کے لیے کیا تدابیر اختیار کر رہے ہیں قیمت ار علاوہ محصول

دفتر طلوع اسلام بلیماران دہلی

سوراجی اسلام

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ جب کانگریس کے دستور اساسی میں یہ بات موجود ہے کہ سوراج حاصل ہونے کے بعد ہندوستان کی مختلف اقوام کی مذہبی آزادی برقرار رکھی جائیگی تو پھر مسلمان اپنے مذہب کے تحفظ کے لیئے اور کیا ضمانت چاہتے ہیں، یہ دلیل ایسی نظر فریب اور خوش آئند ہے کہ اچھے اچھے سمجھ دار اسکے دامِ تزویر میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور عوام جو بالکل سطح بیں ہوتے ہیں انکے پاس تو اسکا جواب ہی کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن آیئے تو ذرا دیکھیں کہ قرائن سے جو کچھ پتہ چلتا ہے اسکی رو سے سوراج حاصل ہونے کے بعد جس مذہب کی آزادی مسلمانوں کو حاصل ہوگی وہ کونسا مذہب ہوگا کیا وہ اسلام ہی ہوگا یا کسی اور چیز کا نام اسلام رکھ دیا جائیگا یہ تو ظاہر ہے کہ سوراج کے بعد ہندوستان کی "متحدہ قومیت" کا نظامِ حکومت جمہوری ہوگا اور اس متحدہ قوم کی تقدیروں کے مالک مختلف خیالات کے نمائندوں کی جماعت کے افراد ہونگے جنکی کثرت آراء سے تمام معاملات کا فیصلہ ہوا کریگا اور جو معاملہ اکثریت کی رائے سے طے ہو جائے گا وہ مُلک کا قانون بنجائے گا جسکی خلاف ورزی جرم ہوگی۔ لہذا ہمیں دیکھنا یہ چاہیئے کہ مختلف سیاسی معتقدات کی وہ جماعتیں جنکے ہاتھ میں زمامِ حکومت ہوگی۔ مذہب سے مفہوم کیا لیتی ہے، اسلیئے کہ جب مذہبی آزادی یا مذہبی معاملات میں دخل اندازی کا سوال پیدا ہوگا تو سب سے پہلے تو یہی سوال اُٹھے گا کہ وہ مذہب جسکی آزادی کا حکومت نے وعدہ دیا ہوا ہے اسکی تعریف کیا ہے۔ کون کون سے معاملات مذہب کی حدود کے اندر ہیں۔ اور کون سے اسکے باہر۔

سب سے پہلے قدامت پسند ہندوؤں کی اس جماعت کو لیجیئے جسکے نمائندے مہا تما گاندھی ہیں، ہم فرض کیئے لیتے ہیں کہ یہ جماعت اپنے اِس اعلان میں مخلص ہے کہ سوراج کے بعد مسلمانوں کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ اِس جماعت کے نزدیک مذہب نام ہے چند رسومات کا اور چند عبادات کا اور پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ عقائد یا عبادات میں بھی کسی کا اشتراک یا اتحاد ہو۔ ایک فرقہ کرشن

بھگت ہے اور دوسرا رام اوپاسک، سناتن دھرم والے مورتی پوجا کرتے ہیں لیکن آریہ سماج والے مورتی کھنڈن (بت شکنی) کے قائل ہیں، ویدانت کے قائل۔ مادہ کو مایا (سراب) سمجھتے ہیں اور آریہ سماج روح مادہ دونوں کو ازلی اور ابدی مانتے ہیں۔ بنگال کے ہندو کالی ماتا کی پوجا کرتے ہیں اور ستیارتھ پرکاش اس دیوی کو ڈائن قرار دیتی ہے، سناتن دھرمی دونوں کی تقسیم پیدائش کے لحاظ سے کرتے ہیں اسلیئے اچھوت انکے نزدیک پیدائشی اچھوت ہیں لیکن آج خود مہاتما جی اس بات کے لیئے پران تیاگنے کو تیار ہو جاتے ہیں کہ اچھوت کو اچھوت کیوں سمجھا جاتا ہے، ان تمام اختلافات کے باوجود یہ سب ہندو ہیں اور ان میں سے کوئی بات بھی ہندو دھرم کی خلاف نہیں حتےٰ کہ پنڈت جواہر لال نہرو جو ناستک ہیں خدا کے بھی منکر ہیں وہ بھی ہندو ہیں وہ اپنی خود نوشت سوانح حیات (میری کہانی) میں علانیہ اس امر کی شکایت کرتے ہیں کہ میں نے ہندو دھرم کی ایک ایک بات کو چھوڑ دیا۔ حتیٰ کہ خدا کا بھی انکار کر دیا۔ لیکن ہندو دھرم پھر بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑتا بلکہ مجھے ابھی تک برہمن قرار دیئے جاتا ہے۔ بدھ مت اور جین مت ایسے مذاہب ہیں جن کو دوسرے ہندوؤں کے مذہب سے قطعاً کوئی واسطہ نہیں، وہ خدا کے قائل نہیں۔ ویدوں کو نہیں مانتے۔ انکی اپنی کتابیں الگ ہیں۔ ہندو دھرم بدھ مت کو اس قدر "غیر ہندو" سمجھتا تھا کہ یہاں کے ہندوؤں نے تمام بدھوں کو ایک ایک کرکے برما، چین، تبت اور جاپان کی طرف نکال دیا۔ لیکن اب پھر بدھ مت اور جین مت کو ہندو دھرم کے دائرے کے اندر لیا جاتا ہے۔ اسلیئے اس جماعت کے نزدیک تو مذہب محض کسی ایسے ذہنی نظریہ کا نام ہے جس کی کوئی تعریف ہی نہیں کی جا سکتی باقی رہے معاشرتی معاشی سیاسی معاملات تو وہ مذہب کے احاطہ سے باہر ہیں انکا حل ارباب سیاست کے ذمہ ہے۔ مذہب کے متعلق یہی نظریہ انگریزوں کے سامنے ہے انکے نزدیک بھی کلیسا اور سلطنت دو الگ الگ شعبے ہیں۔ ملکۂ وکٹوریہ کے منشور کی رو سے آج بھی مسلمانوں کو مذہبی معاملات میں "کامل آزادی" حاصل ہے۔ اور حکومت مذہبی معاملات میں دخل انداز نہیں ہوتی لیکن یہ مذہب کیا ہے جو حکومت کی مداخلت سے باہر ہے۔ وہی چند رسومات اور عبادات آپ دن رات قرآن کریم کا درس دیتے رہیئے کوئی مزاحم نہیں ہوگا۔ لیکن اگر کسی آیت کی تفسیر حکومت وقت کے قانون سے ٹکرا جائے تو اس مذہبی آزادی کا جو حشر ہوتا ہے اسکا حال

مقدمہ کراچی کے اسیران اور مالٹا کے نظربندوں سے پُوچھیے۔ اِسلیئے کہ قرآنِ کریم کی تلاوت تو مذہب میں داخل ہے۔ لیکن مُلکی اور سیاسی معاملات میں تو آپ کو مُلک کے قانون کے تحت رہنا ہوگا۔ مذہب "ثواب" حاصل کرنے کے لیئے ہے نہ کہ زندگی کے معاملات کا عملی حل تلاش کرنے کے لیئے اب آپ خود اندازہ لگالیجئے کہ اس نظریہ کے ماتحت آپکو جس قسم کی مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ وہ آج کی "غلامی" سے کتنی بہتر ہوگی۔

قدامت پرستوں کی دوسری جماعت وہ ہے جسکی نمائندگی کا شرف ہندو مہاسبھا کو حاصل ہے اور یہ ہی وہ جماعت ہے جس کی مُلک میں اکثریت ہے کچھ وقت ہوا کہ اُن کی اکثریت میں کچھ شُبہ ہونے لگا۔ جب کہ اچھوتوں نے تقاضا کیا تھا کہ ہمیں جُداگانہ نیابت حاصل ہونی چاہیئے اسوقت ان مظلوموں کی ہمدردی کے جذبہ نے جوش کھایا بڑے بڑے مہاتما منش ہندوؤں نے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ پُونہ میں پران تیاگ برت رکھے گئے۔ بڑے بڑے اونچے گوت کے ہندوؤں نے اپنے آپ کو ہریجن کہلانا شروع کر دیا۔ اور اس مظلوم طبقہ کی زبوں حالی کے احساس نے اسوقت تک چین نہ لینے دیا جب تک یہ یقین نہ ہوگیا کہ ہندو مہاسبھا کی اکثریت خطرے میں نہیں ہے مہاتماجی نے سب کچھ چھوڑ چھاڑ اب زندگی کا مقصد اسی اکثریت کے تحفظ کو قرار دے لیا ہے اِس طبقہ کے جو خیالات مُسلمانوں کے مذہب سے متعلق ہیں اسکے لیئے دیوتا سروپ بھائی پرمانند۔ ڈاکٹر مونجے اور مسٹر ساورکر کے شُبھ نام کافی ہیں۔

ان کی وہ آرزوئیں جو مُسلمانوں کے خلاف انکے سینوں میں موجزن ہیں انکا نمونہ ملاحظہ ہو۔

> مُلکی اور مذہبی نقطۂ خیال سے مسلمانوں کو ویدک دھرم اور ویدک تہذیب کے نزدیک لانا از حد ضروری ہے۔ جب تک مسلمان سرزمین حجاز کے عاشق ہیں عرب کی سرزمین اور کھجوروں پر جان نثار کرتے ہیں اور کوثر کو گنگا پر ترجیح دیتے ہیں وہ ہندوستان سے محبّت نہیں کرسکتے اسلیئے مُلک میں ایک قوم پیدا کرنے کے لیئے لازمی ہے کہ ہم ویدک دھرم کا پیام جلد از جلد اُن تک پہونچائیں
>
> (آریہ مسافر ۵ مارچ ۱۹۳۸ء)

اِس قسم کی باتوں کے جواب میں مسلمانوں کو یہ کہہ کر فریب دیدیا جاتا ہے کہ یہ ہندوؤں

ہندو کمشنر، متعصب مہاسبھائیوں کے خیالات ہیں۔ کانگریسی ہندوؤں کے ایسے خیالات نہیں ہیں۔ سو اوّل تو یہ چیز ہی محلِ نظر ہے کہ ایک کانگریسی ہندو کے مسلمانوں کے متعلق یہ خیالات نہیں ہوتے جہانتک اسلام سے متصادم ہونے کا تعلق ہے، ہندو۔ ہندو ہی ہے خواہ وہ کانگریسی ہو خواہ مہاسبھائی بلکہ یہانتک دیکھنے میں آیا ہے جو ہندو عیسائی ہو جاتا ہے جب عیسائی اور ہندو کا مقابلہ ہوتا ہے تو وہ عیسائی ہوتا ہے۔ لیکن جب ہندو اور مسلمان کا مقابلہ ہوتا ہے، تو وہ یکسر ہندو ہوتا ہے اسلیئے کہ یہ قرآن کریم کا فیصلہ ہے کہ کوئی غیر مسلم مسلمانوں کی فلاح وبہبود پر کبھی خوش نہیں ہو سکتا۔ فرمایا۔

اے پیروانِ دعوت ایمانی (یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا) ایسا نہ کرو کہ اپنے آدمیوں کے سوا (مِن دُونِکُم) کسی دوسرے کو اپنا ہمراز[1] و معتمد بناؤ۔ ان لوگوں[2] کا حال یہ ہے کہ تمہارے خلاف فتنہ انگیزی میں کمی کرنیوالے نہیں جس بات سے تمہیں نقصان پہونچے وہی انہیں پسندیدہ ہے۔ انکی دشمنی تو ان کی باتوں ہی سے ظاہر ہے لیکن جو کچھ دلوں میں چھپا ہوا ہے وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ اگر تم سمجھ بوجھ رکھتے ہو تو ہم نے فہم وبصیرت کی نشانیاں تم پر واضح کر دیں $\frac{3}{118}$ (

(ترجمہ از مولانا ابوالکلام۔ ترجمان القرآن جلد ۱ ص ۳۰۵)

یعنی قرآن کریم نے خود غیر مسلموں کی ہر دو جماعتوں کی تفریق کر دی۔ ایک تو وہ کہ جن کی اسلام سے دشمنی ان کی باتوں سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور دوسرے وہ جو بات کہنے میں محتاط رہتے ہیں لیکن جو کچھ انکے دلوں میں چھپا ہوا ہے وہ اس سے بڑھ کر ہے جو ظاہر ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم نے (مِن دُونِکُم) سے صاف طور پر ظاہر فرما دیا ہے کہ اسلام کے ساتھ دشمنی میں سب غیر مسلم شامل ہیں اور انکے ساتھ راز اور اعتماد کے تعلقات قطعاً جائز نہیں لہٰذا یہ کہنا کہ "کانگریسی ہندو مسلمانوں کا دشمن نہیں"۔ مہاسبھائی ہندو دشمن ہے نہ صرف خود فریبی ہے۔ بلکہ قرآن کریم کی کھلی ہوئی تکذیب بھی ہے۔

---

[1] یعنی دشمنوں کا نہ کہ اپنے آدمیوں کا ۱۲ [2] معلوم نہیں مولانا آزاد نے ہندوں کو اپنا ہمراز بنایا ہے یا نہیں؟ وہ اگر اس کا اعلان کر دیں تو آج ہی معاملہ صاف ہو جائے منہ ۱۲

پھر یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ ہندوؤں میں اکثریت کن کی ہے۔ ظاہر ہے کہ اکثریت مہا سبھائیوں کی ہے۔ اور چونکہ جمہوری نظام میں فیصلے اکثریت کی مرضی کے مطابق ہوا کرتے ہیں لہذا یہ واضح ہے کہ اس قسم کی اکثریت کے ماتحت مسلمانوں کو کس قسم کے مذہب کی آزادی حاصل ہوگی۔"

اکثریت کی تو آج بھی یہ حالت ہے کہ سناتنی بچارے لاکھ چلا رہے ہیں کہ سارد ایکٹ ہمارے دہرم کے خلاف ہے کوئی ایک نہیں سنتا وہ چیخ رہے ہیں کہ اچھوتوں کے لیئے مندروں کے دروازے کھول دینا یکسر ہندو دہرم کو آپوتر کر دینا ہے لیکن سیاست کی مصلحت کوشیاں اکثریت کے کان بند کیئے ہوئے ہیں۔

حکومت بمبئی نے اعلان کر دیا ہے کہ پونا کے ہوٹلوں میں اچھوتوں کو بھی رہنے کی اجازت ہو اسپر وہاں کے ہوٹل والے شور مچا رہے ہیں کہ اونچی ذات کے ہندوؤں نے ہمارا بائیکاٹ کر رکھا ہے۔ ہمارا کاروبار تباہ ہو رہا ہے لیکن وہاں کانگریسی حکومت اسکی پرواہی نہیں کر رہی۔ جب ان کی خود اپنے ہاں یہ حالت ہے کہ مہا سبھائیوں کی اکثریت سناتن دہرمیوں کے مذہبی احساسات کی کچھ پروا نہیں کرتی تو یہ ہی اکثریت "ملیکش" مسلمانوں کے مذہب کا جس قدر پاس کرے گی ظاہر ہے۔

اب اس جماعت کو لیجیئے جو روشن خیال جدت پسند (Advanced) طبقہ کہلاتا ہے۔ اور جس کی قیادت پنڈت جواہر لال نہرو کو حاصل ہے یہ اشتراکی خیالات کے حامی ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ اشتراکیت میں خدا اور آخرت پر ایمان کے عقیدہ کی دہجیاں اڑائی جاتی ہیں روس میں اسلام ہی کا نہیں بلکہ خود عیسائیت کا جو حشر ہوا وہ سب کے سامنے ہے ہمارا نوجوان طبقہ جوان خیالات سے متاثر کیا جا رہا ہے۔ ایمانیات سے اسکا استہزا خود بتا رہا ہے کہ مذہب کے متعلق انکا زاویۂ نگاہ کیا ہے۔ پنڈت جی اور انکے رفقائے کار کی یہ کوشش ہے کہ اشتراکیت آنے والے ہندوستان کا سیاسی مذہب بنجائے۔ اس نظریہ کی عملی اشاعت میں بعض سیاسی مصالح ابھی انکے راستہ میں حائل ہیں۔ لیکن بایں ہمہ جس سرعت کے ساتھ اس کو عام کیا جا رہا ہے اسکا نتیجہ ظاہر ہے۔ اسلام خود سرمایہ داری کا دشمن اور اشتراکیت کا حامی ہے۔ لیکن اس اشتراکیت کا نہیں جسکی تخلیق روس کے انقلاب پسند طبقہ کے اس انتقامی جذبہ کی

رہین منت ہے جو زار کی حکومت کے خلاف اسکے دلمیں موجزن تھا اور جس کا اصول صرف یہ تھا کہ ہر وہ چیز جو زار کے وقت میں دنیا میں موجود تھی تباہ کرنیکے لائق ہے۔ یہ ہی وہ اشتراکیت ہے جو ہندوستان کے انقلاب پسند طبقہ میں مقبولیت حاصل کر رہی ہے اور جو محض روس کی نقالی ہے۔ غلام نژاد قوم ہمیشہ مقلد ہوا کرتی ہے۔ طواف اندر سرشت برہمن مست رسالۂ کلیم اس مسلک کی نشر و اشاعت میں بڑا سرگرم رہتا ہے کہ اس سے نوجوانوں میں مقبولیت بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ اسکا کوئی پرچہ ایسا ہوتا ہو گا جس میں خدا اور آخرت ایمان کی تضحیک نہ کی جاتی ہو مثلاً مارچ ۱۹۳۸ء کے پرچہ میں ناظر کے نام سے ایک مضمون چھپا ہے جسمیں وہ تحریر فرماتے ہیں۔

"خدا کے تصور کی ابتدا انسان کے اس دور سے شروع ہوئی جب کہ ذہن انسانی عالم طفولیت میں تھا وہ فطرت کے عظیم الشان مظاہر کی توجیہ نہ کر سکتا تھا سوائے اسکے کہ انکو فوق العباد ہستی سے منسوب کر دے ...... مذہب کا توہم پرستی کے ساتھ ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ آج تک بھی جہاں جہاں جہالت زیادہ ہے اور علم کی روشنی کم ہے۔ وہاں مذہب کا دور دورہ ہے، مذہب ایک غیبی چیز ہے اور غیبی چیزوں کو تاریکی میں زیادہ فروغ ہوتا ہے"

اسکے بعد حیات بعد الممات کے عقیدے کی مخالفت کی گئی ہے۔ اخیر میں رقمطراز ہیں کہ۔

"ہندوستان چونکہ علوم و فنون اور تہذیب و تمدن میں بہت پیچھے ہے اسلئے یہاں فی الحال مذہب کو رہنے دیا جائے لیکن "مذہب" کو اجتماعی حیثیت نہ دی جائے اس کو خالص شخصی یا انفرادی چیز سمجھنا چاہیئے اس طرح اس کی پبلک حیثیت رفع ہو کر خالص پرائیویٹ یا نجی حیثیت باقی رہے گی"

یعنی ملک کا جدت پسند طبقہ جس مذہب کی "فی الحال" آزادی پر رضامند ہو سکتا ہے وہ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ مذہب ایک پرائیویٹ عقیدہ کا نام ہے۔ اسے عملی۔ اجتماعی اور معاملات کی دنیا سے کوئی واسطہ نہیں۔ پہلے دنوں جب مسٹر بوس نے اعلان کیا کہ "میں سب کچھ مسلمانوں کے حوالے کر دینے پر تیار رہوں بشرطیکہ وہ کانگرس کے متحدہ قومیت کے نظریہ کو تسلیم کر لیں" تو اسکی وضاحت کے لیے ٹریبیون نے اپنی ۷ / جون ۱۹۳۸ء کی اشاعت میں مقالہ افتتاحیہ لکھا جس میں تحریر فرمایا کہ:۔

بس ایک شرط کے ماتحت، طول وعرض ملک میں کوئی ایک کانگرسی بھی ایسا نہ ہوگا
جو تمام اختیارات مسلمانوں کے حوالے کر دینے پر آمادہ نہ ہو۔ انکے (یعنی کانگریسیوں کے)
نزدیک یہ مسئلہ ذرا بھی اہمیت نہیں رکھتا کہ کانگرس یا حکومت کے دائرے میں زمام اختیار
جسکے ہاتھ میں ہے وہ ہندومت، اسلام یا عیسائیت کے عقیدہ کا معتقد ہے کیونکہ
انکے نظریہ کی رُو سے مذہب کو سیاسیات سے کوئی واسطہ ہے اور نہ ہی ہونا چاہیئے"

ابھی حال ہی میں مسٹر دلبھائی ڈیسائی نے شملہ میں ایک جلسہ میں تقریر فرمائی جس میں انھوں نے بتایا کہ عہد حاضرہ میں بہترین نظام حکومت کس قسم کا ہوسکتا ہے؟ اور آزاد ہندوستان کا نظام حکومت کیسا ہوگا۔ تقریر کی تمہید میں جو کچھ انھوں نے کہا اسکا ملخص یہ تھا کہ عہد قدیم میں چونکہ بادشاہ اور حکمراں جماعتوں کے ارکان یہ چاہتے تھے کہ اُنکے احکام بے چون وچرا تسلیم ہوتے چلے جائیں اور کسی کو اُنپر تنقید کرنے کا حق حاصل نہ ہو اسلیئے اُنھوں نے یہ خیال پیدا کیا کہ اُن کی حکومت الہامی قوانین (Divine Laws) پر مبنی ہے (یعنی خدا کی ہستی پر ایمان پیدا کرنے کی ضرورت یوں پیش آئی۔ یہ حرف بحرف وہی اعتراض ہے جو اشتراکیت کے بانی مارکس نے مذہب کے خلاف عائد کیا تھا) اسکے بعد انھوں نے کہا کہ اب علم وعقل کا زمانہ آگیا ہے۔ اب اس قسم کی توہم پرستی قابل قبول نہیں ہوسکتی۔

نظام حکومت کے متعلق اُنھوں نے فرمایا:۔

اَب یہ ناممکن ہوگا کہ کوئی ایسا نظام حکومت قایم کیا جائے جس کی بنیاد مذہب پر ہو اب وقت آچکا ہے کہ ہم اِس امر کا اعتراف کرلیں اور اُسے اچھی طرح سے ذہن نشین کرلیں کہ ضمیر، مذہب اور خدا کو اُنکے مناسب مقام یعنی ایمان کی بندیوں پر رکھ دیا جائے، اور انہیں زمین کے معاملات میں خواہ مخواہ گھسیٹ کر نہ لایا جائے ......

اِس بات کا تو تصور بھی ناممکن ہے کہ اگر مذہب کو سیاست سے الگ نہ کیا جائے تو کوئی نظام حکومت قایم ہوسکتا ہے یا جذبہ حُب الوطنی محض قومیت پرستی کی بنیاد پر پرورش پاسکتا ہے یعنی اِس ماتر بھومی کے ساتھ وابستہ ہوجانے سے جس نے

تمہیں پیدا کیا۔ زندگی عطا فرمائی اور مرنے کے بعد جو تمہیں اپنی آغوش میں لے لیتی ہے..... عہد حاضر میں بہترین نظام حکومت کی بنا اِس نظریہ پر قایم ہو سکتی ہے جغرافیائی حدود اربعہ کے اندر گھرا ہوا ایک مُلک ہو (وطن) اور اِس مُلک کے اندر رہنے والے تمام افراد معاشی اور سیاسی مفاد کے رشتہ میں منسلک ہو کر ایک متحدہ قومیّت بنجائیں۔ (ہندوستان ٹائمز ۵ ستمبر ۳۸ء)

مُلاحظہ فرمایا آپنے؟ وہی نظریہ کہ:۔

(۱) مذہب کو سیاست سے الگ رکھا جائے۔

(۲) نظامِ حکومت میں ضمیر، مذہب اور خدا کو کوئی دخل نہو

(۳) جذبہ حبُّ الوطنی کی پرورش محض قومیت پرستی کی بنا پر ہو سکتی ہے۔

(۴) اقوام اب اوطان سے بنتی ہیں نہ کہ مذہب سے۔

(۵) افراد کو ایک قوم بنانے کے لیئے وجہ جامعیت سیاسی اور معاشی مفاد ہیں نہ کہ مذہب

ہمارے قومیت پرست علمائے کرام یہ سب کچھ سنتے ہیں اور ایک لفظ اس کی تردید میں نہیں کہتے۔ تردید کیسی ہر خود اُن خیالات کی تبلیغ کرتے پھرتے ہیں۔ خدا کے لیئے کوئی بتائے کہ کیا اسلام دُنیا کو بھی کچھ سکھلانے کے لیئے آیا تھا؟

یہ تو تھے غیر مُسلم حضرات کے مختلف طبقے یا مُسلمان کہلانے والوں میں سے وہ طبقہ جسے ملشذ بن کہا جا سکتا ہے لیکن آنے والے اسلام کے متعلق جو نظریہ عام قومیت پرست مسلم حضرات پیش کر رہے ہیں۔ وہ ان سے بھی زیادہ افسوسناک اور مایوس کن ہے۔ ان حضرات کی تحریروں اور تقریروں سے واقف ہونے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس قسم کا اسلام وہ پیش کر رہے ہیں وہ خود اُنکے اپنے ہی دماغوں کی ساخت ہے کتاب وسُنت کے اسلام سے اسکو کچھ علاقہ نہیں اُن کے نزدیک بھی مذہب چند رسومات وعبادات کا ہی نام ہے۔

اسکے بعد عام معاشرتی معاشی سیاسی معاملات سب دنیاوی اُمور ہیں۔ جنکا مذہب سے کچھ واسطہ نہیں مثال کے طور پر دو ایک مشہور قوم پرست مسلم حضرات کے خیالات مُلاحظہ فرمایئے۔

- ڈاکٹر سید محمود سابق سکریٹری آل انڈیا کانگرس کمیٹی اور کانگرسی حکومت صوبہ بہار کے وزیر کا

ایک مضمون رسالہ جامعہ ماہ اکتوبر ۱۹۳۹ء میں چھپا تھا اس میں انھوں نے اس امر کی تلقین کی تھی کہ ہندوستان جیسے ملک میں مذہب اس قسم کا ہونا چاہیے جس قسم کا دینِ اکبر نے ایجاد کیا تھا اکبر جلیوں کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ :-

نعض نے اپنے ولولہ وجوش سے مجبور ہو کر ہندوستان میں متحدہ قومیت کی آفرینش کے پیش نظر ایک ایسے جدید مذہبی نظام کی نشو و نما کرنی چاہی جو ہندوستان میں سب کے مناسب حال ہو۔ یہ اُن لوگوں کی معمولی خدمات نہیں کہی جا سکتیں "

آنے والے نظام حکومت کے ماتحت اس نئے "دینِ الٰہی" کے ماننے والوں کا نام کیا ہوگا اسکے متعلق ڈاکٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"لفظ ہندی کو زبان کے لیئے نہیں بلکہ اہل ہند کے لیئے اختیار کرنا چاہیئے۔ دُنیا بھر میں صرف ہمارا ملک ہی ایک ایسا ملک ہے جس میں مختلف لوگ مذاہب سے شناخت میں آتے ہیں صرف اِسکا اظہار ہی ہماری دماغی کیفیت کا آئینہ بنجاتا ہے اور ہمارے متعلق ثابت کر دیتا ہے کہ ہم اس برِّاعظم کی علیحدہ علیحدہ "مذہبی اقوام" ہیں۔ اسلیئے اب وقت آگیا ہے کہ ہم ایک مشترک نام اختیار کرلیں[۱]۔

کانگرس کے شعبۂ اسلامیات کے معتمد ڈاکٹر اشرف صاحب کا ایک مضمون جمعیۃ العلماء ہند کے آرگن الجمعیۃ بابت رجب ۱۳۵۶ھ میں شائع ہوا تھا جس میں اُنھوں نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں میں پہلے کون سی بات میں یگانگت اور وحدت تھی جواب وہ اپنی الگ وحدتِ قومی کے لیئے چلّا رہے ہیں اسکے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ :-

اسی اختیار سے ہم آج ایک نئے اور زندہ تمدّن کی تعمیر میں مصروف ہیں ہماری سیاسی اور سماجی جدوجہد اس نئے تمدّن کا پیش خیمہ ہے "

اس شعبۂ اسلامیات کے ایک رُکن جناب منظر رضوی کا ایک مضمون "مسٹر جناح کی کھوکھلی قیادت" کے

---

[۱] یعنی خدا نے تو یہ فرمایا تھا کہ ھو سماکم المسلمین اسنے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ اور یہ کہ من احسن قولہ ..... کہ اس سے بہتر بات کرنیوالا کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے عمل صالح کرکے دکھائے کہ میں مسلمان ہوں لیکن مسلمانوں کے یہ نمائندہ حضرات ہیں کہ ان کو اس بات سے شرم محسوس ہوتی ہے کہ کوئی اپنے آپ کو مسلمان

عنوان سے اخبار مدینہ بابتہ یکم نومبر ۱۹۳۷ء شائع ہوا ہے جس میں تحریر فرماتے ہیں کہ۔

مسٹر جناح نے پکار کر کہا ہے "ہندوستان بھر کے مسلمانوں ملجاؤ" سوال یہ ہے کہ ہندوستان بھر کے مسلمان آپس میں کیوں ملے اس اتحاد کی ضرورت کیا ہے۔ اس کا مقصد کیا ہے۔ جہاں تک توحید رسالت مذہبی معتقدات اور مذہبی حرکت وعمل کا تعلق ہے وہ آپس میں ملے ہوئے ہیں، بالکل متحد ہیں ان میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور ہم مسٹر جناح کو یقین دلاتے ہیں کہ آئندہ بھی کوئی اختلاف نہ ہوگا۔ لیکن سیاسی اور اقتصادی اغراض ومفاد کے لیے مسلمانوں کا آپس میں ملنا ناممکن ہے وہ ہرگز متحد نہیں ہوسکتے اور نہ ان کو متحد ہونا چاہیئے۔ (اقتباسات بحوالہ ترجمان القرآن)

رسالہ کلیم کے مدیر دسمبر ۱۹۳۷ء کے پرچہ کے اشارات میں فرماتے ہیں۔

اسکے علاوہ اپنے کو مسلم یا ہندو پہلے اور ہندوستانی بعد کو کہنا جغرافی صداقت اور فطری قانون کے بھی خلاف ہے مذہب زیادہ سے زیادہ ایک ذہنی لباس ہے لیکن قومیت اور وطنیت تو ہمارے بدن کی جلد قومیت تو ہمارا گوشت پوست اور ہمارا خمیر ہے لباس تو ہر وقت بدلا جاسکتا ہے لیکن پوست اور خمیر کو بدلا نہیں جاسکتا ایسا کیوں ہے؟ اسلیئے کہ قومیت اور وطنیت ایک ایسی قدرتی چیز ہے۔ جسکا تبدیل کردینا طاقت بشری سے باہر ہے[1]۔

ایک اور "قوم پرست" بزرگ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی ہیں وہ حضرت علامہ علیہ الرحمۃ کے مشہور نظریۂ قومیت سے متعلق بیان کے جواب میں اپنے اخبار "ہند" بابتہ ۱۲ مارچ ۱۹۳۸ء میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

ہمارے مدعیان علم نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ اسلام نے اسلامی سوسائٹی کا ایک ایسا نظام بنایا ہے جو ہمہ گیر انٹرنیشنل ہے مگر یہ کہتے ہوئے ان لوگوں کو یہ یاد نہیں رہا کہ وہ اپنے اس قول سے اسلام کی عالمگیری کو توڑ رہے ہیں"۔

انکے نزدیک اسلام کی عالمگیری یہ ہے کہ اُسے چند عقائد کا مجموعہ تصور کرلیا جائے۔ باقی رہا

---

[1] جی ہاں۔ بالکل طاقت بشری سے باہر۔ کل تک اہل "برہما ہندوستانی" تھے۔ اور آج سیاسی مدبرین کی ایک جنبش قلم سے "پاکستانی" بن گئے (رازی)

نظام سو وہ تو ایک وقتی چیز تھی جو اسلام نے عربوں کے سامنے پیش کی تھی فرماتے ہیں کہ

اِس حقیقت سے عام طور پر چشم پوشی کی جاتی ہے کہ اسلام عربی دین ہے اسکی رُوح عربی ہے اور عربوں ہی نے سب سے زیادہ اِس سے فائدہ اُٹھایا میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ عجمی قومیں اِسلام میں داخل نہیں ہوسکتیں وہ داخل ہوئیں اور مسلمان بنیں مگر یہ واقعہ ہے کہ اِسلام ہے عربی دین ہی جس کی شہادتیں خود قرآن مجید میں موجود ہیں (مشلاً رازی)۔

اِس سے ذرا آگے چلکر فرماتے ہیں :-

اسلام کی بنیاد قرآن پر ہے اور ہر آدمی دیکھ سکتا ہے کہ قرآن میں تفصیلی قوانین موجود نہیں ہیں۔ قرآن نے چند عام اُصول بتا دیئے ہیں اور مسلمانوں سے کہہ دیا ہے کہ اچھائی کا حکم دو اور بُرائی سے منع کرو۔ قرآن کہتا ہے امر بالمعروف ونھی عن المنکر معروف بھلائی اور منکر بُرائی۔ لفظی معنی ہیں مشہور یا معلوم اور نا معلوم یا ناپسندیدہ' دیکھیئے قرآن مجید نے بھلائی کو لفظ معروف یعنی معلوم سے تعبیر کیا اور بُرائی کو لفظ منکر یعنی نامعلوم اور ناپسندیدہ سے۔ اُسنے یہ نہیں کہا کہ اچھائیوں اور بُرائیوں کی فہرست دیدی ہو بلکہ عام بات کہی کہ اچھائی کو پھیلاؤ اور بُرائی کو روکو اور یہ اسلیئے کہ سوسائٹی کے حالات بدل جانے سے اچھائی اور بُرائی کے مفہوم اور معنی بھی بدل جاتے ہیں (ایضاً)

اسوقت ان دعاوی کا تجزیہ کرکے اُنکے بطلان کی توضیح کا موقعہ نہیں، اسوقت صرف اتنا کہنا ہے کہ ہمارے قومیت پرست مسلمان حضرات کے نزدیک "مذہب" کی حیثیت کیا بنتی چلی جا رہی ہے۔ یعنی مذہب ایک پرائیویٹ عقیدہ کا نام ہے۔ اسے سیاست سے کوئی علاقہ نہیں۔ مسلمان کہلانا بڑی تنگ نظری بلکہ یہ فطری قانون کے خلاف ہے۔ اسلام کوئی ایسا نظام زندگی نہیں دیتا جو ہمہ گیر اور اٹل ہو، اسلام فقط عربی دین ہے۔ قرآن تفصیلی احکام نہیں دیتا حتے کہ نیکی اور بدی کا مفہوم بھی سوسائٹی کے حالات کے ماتحت بدلتا جاتا ہے۔

(اللہ اکبر نہ معلوم پھر اسلام ہے کیا ؟

اب ایک اور قوم پرست سے سنیئے کہ مسلمانوں کو کانگرس میں کیوں شریک ہونا چاہیئے۔ فرماتے ہیں

لیکن ان کا (مسلمانوں کا) باہمی اختلاف جو زیادہ تر مذہبی رجحانات کا نتیجہ ہے کبھی دُور نہیں ہو سکتا اور اگر اسکے دُور کرنے کی کوئی تدبیر ہو سکتی ہے تو صرف یہ کہ وہ کسی ایسے ادارے میں شریک ہو جائیں جو مذہبیات سے بالکل علیحدہ صرف سیاسیات سے تعلق رکھتا ہو اور ایسا ادارہ صرف کانگرس[1] ہے۔ کانگرس میں شریک ہونے کے بعد تو مسلمان بے شک کسی ایک مرکز پر جمع ہو سکتے ہیں لیکن اس سے علیحدہ رہنے کی حالت میں انکے مذہبی اختلافات انکی سیاسی تحریکوں کو کبھی کامیاب نہ ہونے دینگے۔" (نگار بحوالہ مدینہ مورخہ ۱۳ راگست ۳۸ء)

یعنی وہی نظریہ کہ مذہب ایک الگ چیز ہے اور سیاست الگ، اور چونکہ مذہب نے مسلمانوں میں اسقدر اختلافات پیدا کر رکھے ہیں اس لئے مسلمان کسی ایسے مرکز پر جمع ہو جائیں جس میں مذہب کو دخل نہ ہو اور وہ مرکز کانگرس ہے۔ یعنی مسلمانوں کے اختلافات مٹانے والا مرکز قرآن نہیں ہے، بلکہ کانگرس ہے۔ جل جلالہٗ۔

اسی قسم کے ایک اور قوم پرست کا نظریۂ مذہب ملاحظہ ہو۔

ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ گاندھی اور جواہر لال مسلمانوں کے لیڈر کس طرح ہو سکتے ہیں اسکے جواب میں انھوں نے اپنے اخبار میں تو یہ فرمایا کہ اگر لیڈری سے مراد مسلمانوں کی دینی امامت وقیادت ہے۔ تو یہ اعتراض درست ہے لیکن اگر اس سے مراد سیاسی رہنمائی ہے تو بے شک وہ قائد و امام ہو سکتے ہیں (زمزم لاہور۔ مورخہ ۱۵ رجون ۱۹۳۸ء)

یعنی دینی امامت وقیادت الگ شئے ہے اور سیاسی قیادت و امامت الگ۔ اولی الامر منکم (تمہارا امام تم میں سے) کا حکم صرف "دینی" قیادت کے لیئے ہے "سیاسی" قیادت میں مسلم و غیر مسلم کی کوئی قید نہیں۔

چرچ اینڈ سٹیٹ۔ مذہب اور سیاست کی تفریق کی اس سے بیّن مثال بھی کہیں مل سکتی ہے؟

اس اعتراض کا اس سے بھی دلچسپ جواب ایک بہت بڑے جیّد عالم دین نے دیا۔ انھوں

---

[1] مسلم لیگ ہی کو ایسا ادارہ فرض کر کے نیشلسٹ مسلمان اس میں کیوں نہ شامل ہو جائیں ۱۲

نے فرمایا "جناح کا فوٹو دیکھا۔ اگر جواہر لال قائد نہیں ہو سکتا تو جناح کیسے ہو سکتا ہے"!

(اقتباس تقریر حضرت مولانا حسین احمد صاحب مطبوعہ زمزم۔ ۷ جولائی ۱۹۳۸ء)

اسی تقریر میں انھوں نے فرمایا کہ "جواہر لال ہندو ہے"۔ اُسنے کبھی نہیں کہا کہ مسلمان ہوں۔ اسکے باوجود وہ مسلمانوں کا تحفظ چاہتا ہے"۔ (ایضاً) یعنی قرآن کریم تو کہتا ہے کہ کا یالونکو خبا کا غیر مسلم تمہاری تخریب میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ انکو تو پسند وہی چیز ہے جس سے تمہیں نقصان پہنچے (سورۂ آل عمران) اور حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ جواہر لال باوجود غیر مسلم ہونے کے دمن دو نکم ہونے کے مسلمانوں کا تحفظ چاہتا ہے۔

کہیے کس کی مانیں!!

یہ چند تصریحات محض نمونۃً پیش کی گئی ہیں۔ ورنہ اگر ان حضرات کی تمام وکمال تحریریں آپ کے سامنے ہوں تو آپ حیران رہ جائیں کہ یہ کس قسم کا اسلام ہے جسے پیش کیا جا رہا ہے۔ ماحصل ان سب کے نظریوں کا یہ ہے کہ مذہب ایک پرائیویٹ عقیدہ کا نام ہے جس کا عملی سیاسیات اور معاشی اقتصادی عمرانی معاشرتی معاملات سے کوئی واسطہ نہیں وہی چیز جسکا نام مولانا ابوالکلام آزاد نے "خدا پرستی اور نیک عملی" کی زندگی رکھا ہے اور جس میں اس متحدہ قومیت کا مشترکہ مذہب بننے کی صلاحیت موجود ہے جس کی بنا بقول حضرت مولانا حسین احمد "اوطان" ہے، یہ ہے وہ مذہب جسکی آزادی کا اعلان بھارت ماتا کے مندر کے دروازہ پر لٹکایا جا رہا ہے۔ اب آپ خود فیصلہ فرمائیے کہ اس قسم کے مذہب کی کیا فی الواقعہ "آزادی" ہوگی۔

برعکس اس کے اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات کا نام ہے جو نظام زندگی کے ہر شعبہ میں مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی ہیئت پر چھایا ہوا ہے۔ بقول حضرت علامہ علیہ الرحمۃ

اسلام ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کا ایک قانون ہے .... اور ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کے اصول کی حیثیت میں کوئی لچک اپنے اندر نہیں رکھتا اور ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کے کسی اور آئین سے کسی قسم کا راضی نامہ یا سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں بلکہ اعلان کرتا ہے کہ ہر دستور العمل جو غیر اسلام ہو نامعقول و مردود ہے۔

اس اجمال کی تفصیل طلوع اسلام کے مسلسل مطالعہ سے آپکی نگاہوں کے سامنے آجائے گی جب تک مسلمانوں کو

اس قسم کے مذہب کی آزادی حاصل ہو۔ وہ اپنے آپ کو مذہبی حیثیت سے آزاد نہیں سمجھ سکتے۔ یہی وہ مذہبی آزادی ہے جس کے تحفظ کے لئے آج مسلمانوں کا ہر سوچنے والا دماغ غور و فکر کر رہا ہے اور اسی کا نام آج فرقہ پرستی رکھا جاتا ہے اور یا للعجب! کہ خود مسلمانوں کے ایک گروہ کی طرف سے رکھا جاتا ہے!!

از باغباں شد است کہ صیاد آں نکرد

یاد رہے کہ اسلام ایک پرائیویٹ عقیدہ کا نام نہیں بلکہ ایک جماعتی مذہب ہے جس میں دین اور دنیا مذہب اور سیاست گرہست آشرم اور سنیاس آشرم الگ الگ شعبے نہیں ہیں بلکہ انسانی زندگی سے متعلق کوئی مسئلہ ہو اور دنیا اسے اپنی تقسیم کے اعتبار سے کسی ذیل میں لے آئے اسلام کی رو سے وہ خالص مذہبی مسئلہ ہوتا ہے اسلام کی رُو سے فرد کوئی ہستی نہیں رکھتا اس لئے اس کے انفرادی اور ذاتی اعمال بھی کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتے وہ ایک جماعت کا رکن ہے اور اس کی ہستی اس جماعت کے وجود سے ہے لہٰذا اس کے اعمال بھی وہی صالح ہیں جو اس جماعتی نظام کے اندر رہتے ہوئے کئے جائیں "پرائیویٹ مذہب" زیادہ سے زیادہ چند اخلاقیات کے مجموعہ کا نام ہوتا ہے اور یہ سطحی مجموعہ اخلاقیات وہ ہے جو قریب قریب دنیا کے ہر مذہب میں مشترک ہے۔ کونسا مذہب ہے جو یہ نہیں کہتا کہ جھوٹ نہ بولو۔ چوری نہ کرو۔ زنا نہ کرو۔ اگر مذہب اتنی ہی چیز ہے تو پھر اسلام میں وہ کونسی خصوصیت ہے جس کی رو سے اس کا دعویٰ ہے کہ یہ خدا کا آخری اور مکمل دین ہے اور اس سے پیشتر کے تمام ادیان اب اس لئے ناقابل قبول ہیں کہ وہ اپنی اصل شکل میں دنیا کے پاس نہیں ہیں جو لوگ اسلام کی رُوح سے کچھ بھی واقف ہیں انہیں اس خصوصیت کا معلوم کر لینا کچھ زیادہ دشوار نہیں جس خصوصیت کی رُو سے اسلام کا دعویٰ ہے کہ وہ خدا کا سچا دین ہے آپ اسلام کے سوا کسی مذہب کو دیکھئے کہ وہ ایک پرائیویٹ حیثیت رکھتا ہوگا وہ انفرادیت کی زندگی بسر کرنا سکھاتا ہے ہندوؤں کے پجاری ہوں یا سنیاسی عیسائیوں کے پادری ہوں یا راہب وہ "دنیاداروں" کے طبقہ سے الگ ہوں گے۔ دنیاداروں میں سے جو شخص "خدا پرست" ہو جائیگا وہ ان سے کٹ کر الگ ہوتا جائے گا۔ اسے پھر جماعتی زندگی سے کوئی علاقہ نہیں رہیگا۔ اس کا مطمح نگاہ پھر اپنی مکتی حاصل کرنا ہوگا۔ اسلام نے جب رہبانیت کو ناجائز قرار دیا تو اس لئے نہیں کہ لوگوں کے گیروے رنگ کے کپڑے پہننے اسے پسند نہ تھے۔ ان کپڑوں میں کیا رکھا ہے! اسلام نے رہبانیت کی اس لئے مخالفت کی کہ رہبانیت اس نظریہ زندگی کا نام ہے جس میں انسان انفرادیت کی زندگی

بسر کرتا ہے جس میں اسے صرف اپنی نجات کی فکر دامنگیر رہتی ہے جس میں دین اور دنیا دو الگ الگ شعبے بن جاتے ہیں جس میں مذہب ایک ذاتی اور پرائیویٹ عقیدہ کا نام رہ جاتا ہے جس میں خدا پرستوں کے طبقہ کو اجتماعی معاملات سے کچھ علاقہ نہیں رہتا۔ یہ ہے بنیادی فرق اسلام اور دیگرادیان میں۔ اس خصوصیت کو مٹا ڈالیئے تو اسلام بھی دوسرے مذاہب کی طرح رہ جائیگا اور اسی بنیادی فرق کو مٹانے کا نتیجہ ہے کہ قوم پرست حضرات کا یہ عقیدہ ہو جاتا ہے کہ دنیا کے سب مذاہب سچے ہیں۔ البتہ ان مذاہب کے پیرؤں میں خرابیاں آگئی ہیں اگر ہر مذہب کے پیرو اپنے اپنے مذہب کی سچائی پر عمل پیرا ہو جائیں تو پھر کسی میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ تفصیل کے لئے ترجمان القرآن جلد اوّل از مولانا ابوالکلام آزاد۔

ایک اقتباس ملاحظہ ہو

> ,, قرآن کا جب ظہور ہوا تو دنیا کا یہ حال تھا کہ تمام پیروان مذاہب۔ مذہب کو صرف اسکے ظواہر و رسوم ہی میں دیکھتے تھے اور مذہبی اعتقاد کا جوش و خروش اسطرح کی باتوں میں سمٹ آیا تھا ہر گروہ یقین کرتا تھا کہ دوسرا گروہ نجات سے محروم ہے۔ کیونکہ وہ دیکھتا تھا کہ دوسری کے اعمال و رسوم ویسے نہیں ہیں جیسے خود اسنے اختیار کر رکھے ہیں۔ لیکن قرآن کہتا ہے کہ نہیں یہ اعمال و رسوم نہ تو دین کی اصل و حقیقت ہیں نہ انکا اختلاف حق و باطل کا اختلاف ہے۔ یہ محض مذہب کی عملی زندگی کا ظاہری ڈھانچا ہے لیکن روح و حقیقت ان سے بالاتر ہے اور وہی اصلی دین ہے اصل دین کیا ہے؟ ایک خدا کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی۔ یہ کسی ایک گروہی کی میراث نہیں ہے کہ اسکے سوا کسی انسان کو نہ مل جائے۔ یہ تمام مذاہب میں یکساں طور پر موجود ہے''
>
> (ترجمان القرآن ج ۱ ص ۱۳۷)

اس اقتباس کی اور باتوں کو چھوڑیئے صرف اس چیز کو دیکھئے کہ حضرت مولانا کے نزدیک ''اصل دین تمام مذاہب میں یکساں طور پر موجود ہے'' ''یکساں طور پر'' فرمایئے اسلام کو دیگرادیان پر کیا تفوق اور فضیلت رہی؟ اسکی مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ ''واردھا کی تعلیمی اسکیم اور مسلمان'' شائع کردہ دائرہ طلوع اسلام دہلی)

ہم اپنے اس دعوے کو کہ اسلام پرائیویٹ عقیدہ نہیں بلکہ ایک جماعتی مذہب ہے بتوفیق الہٰی کتاب و سنت آثار و تاریخ سے پوری طرح ثابت کر سکتے ہیں۔ طلوع اسلام کا وجود ہی اس غرض کے لیے ہے۔ لیکن اسوقت ہم اس دعوے کے اثبات میں ایک دوسری روش اختیار کرینگے ہم نے شق اول میں بھی اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا بلکہ قوم پرست طبقہ کے الفاظ میں یہ بتایا ہے کہ وہ مذہب کو کیا سمجھتے ہیں۔ اب ہم اس مسلم قوم پرست طبقہ کے امام مولانا آزاد کے الفاظ میں اس بات کو ثابت کرینگے کہ مذہب اسلام پرائیویٹ عقیدہ کا نام نہیں بلکہ وہ ایک منظم مذہب ہے۔ جماعتی مذہب ہے فرق صرف اتنا ہے کہ مولانا آزاد کی یہ تحریریں اسوقت کی ہیں۔ جب انھوں نے "قوم پرستی" کا مسلک اختیار نہیں کیا تھا۔

۱۹۱۳ء میں انجمن اسلامیہ لاہور نے ایک رزولیوشن پاس کر دیا، کہ شاہی مسجد میں "سیاسی" تقریریں کرنے کی اجازت نہیں اسپر مولانا آزاد نے اپنے رسالہ الہلال میں چار مبسوط اور مفصل افتتاحی مقالے تحریر فرمائے جس میں اس جوش اور ولولے کے ساتھ جو زمانۂ قومیت پرستی سے پیشتر اُن کی نمایاں خصوصیت تھی۔ انھوں نے کتاب و سُنّت سے ثابت کیا کہ مذہب کو سیاست سے الگ سمجھنا کفر ہے، شرک ہے، جہالت ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"پس اگر ان کو کفر پرست کہوں تو تم کہوگے کہ یہ ایمان و کفر کی بحث ہے۔ پس اگر ان کو مشرک کہوں تو تم پکار وگے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کہ بہت ہی بڑی جسارت ہے، ہاں یہ جسارت ہے۔ لیکن جن ظالموں نے اللہ کے آگے جسارت کی ہے کیوں نہ ہم بھی انکے لیے جسارت کریں وہ نہ مومن ہیں۔ نہ مُسلم انکا حال یہ ہے جو کہا گیا نومن ببعض و نکفر ببعض و یریدون ان یتخذوا بین ذالک سبیلا ان لوگوں کی اصطلاح میں جس چیز کو سیاست اور پالٹیکس کہتے ہیں اسلام کے نزدیک عین دین و مذہب ہے اور جہاد فی سبیل اللہ میں داخل"۔۔۔۔۔۔۔۔۔

(الہلال بابت ۲۹ ر اکتوبر ۱۹۱۳ء ص)

اسلیے کہ:۔

حضرت ختم المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمام عالم کی ضلالتوں اور تاریکیوں کو دور

کرنا چاہا اور اپنی اور اپنی جماعت مقدس کی زندگی اس راہ میں صرف کردی، یہ محض اصلاح اقوام وزمین کا کوئی خاص شعبہ نہ تہا جس کو نئے پالٹیکس تمدن اخلاق اور مذہب کے نام سے تقسیم کردیا ہے بلکہ ان کی دعوت عام اور ان کی اصلاح عالمگیر تھی (الیضاً)

اسی زمانہ کے الہلال میں ایک سلسلہ بعنوان الحریت فی الاسلام شروع کیا گیا تھا اسکی تمہید میں تحریر ہے

اسلام خود اپنے بیان کے مطابق رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً دین و دنیا کی اصلاح کے لیے آیا تہا اور اسی لیے دونوں جہان کی برکات اسکے ساتھ تھیں پھر اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ اسلام کے خزانہ میں حسنات سیاست دنیاوی کا وجود نہیں تو اسکے یہ معنی ہونگے کہ نصف خدمت انسانی کی سرانجام دہی سے وہ مقصر رہا جس کا تخیل بھی کوئی مسلمان نہیں کرسکتا..... (الہلال بابت ۹ جولائی ۱۹۱۳ء)

اس زمانہ میں مولانا نے مسلمانوں کے مصائب کا حل ایک ایسی جماعت کے قیام میں تلاش فرمایا تہا جس کا نام تھا حزب اللہ اس جماعت کے اغراض و مقاصد کے ضمن میں انھوں نے الہلال کی متعدد اشاعتوں میں مقالات تحریر فرمائے جس میں شروع سے آخیر تک صرف ایک چیز کو پوری قوت کے ساتھ نمایاں کیا تھا کہ اسلام ایک جماعتی مذہب ہے اگر مسلمانوں کی الگ جماعتی زندگی مفقود ہے تو اسلام بھی مفقود ہے۔ یہ مقالات اس قابل ہیں کہ یہاں تمام و کمال نقل کیے جاتے لیکن اس سے یہ مضمون ایک کتابی شکل اختیار کرے گا۔ اسلیے انکے جستہ جستہ اقتباسات پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے فرماتے ہیں:۔

پس میں کہتا ہوں اور از فرق تا بقدم ایک صدائے ربانی بنکر کہتا ہوں جب کہ یقین کی وہ لازوال طاقت میرے ساتھ ہے جسکے لیے کبھی فنا نہیں جب کہ وہ بصیرت الٰہی میرے دل کے اندر موجود ہے جس میں کبھی تزلزل و تذبذب نہیں اور جب کہ وہ شہادت ایقانی میرے سامنے ہے جس کی رویت میں کبھی دہوکا اور فریب نہیں کہ زندگیوں اور کامیابیوں کا وہ تخم مقدس کوئی انجمن۔ کوئی اسکیم کوئی بے شمار خزانہ۔ کوئی عہد حفاظت۔ کوئی اقرار خدمت یغرضیکہ دنیا کی کوئی آواز اور انسانوں کی کوئی تدبیر نہیں ہوسکتی۔ مگر وہ صرف ایک ہی تحریک حق و صداقت جو مسلمانوں کو ان

کی حیات انفرادی و ملّی کی ہر شاخ میں "مسلمان" بننے کی دعوت دے (الہلال)

ہم حضرت مولانا سے بہ ادب اتنا دریافت کرنے کی جسارت کرتے ہیں کہ آج وہ صدائے ربانی وہ یقین کی لازوال طاقت۔ وہ بصارت الہیٰ شہادت ایقانی کیا ہوئی جو صرف اس ایک تحریک کو حق و صداقت کی تحریک قرار دیتی تھی۔ جو مسلمانوں کی حیات انفرادی و ملّی کی ہر شاخ میں انہیں "مسلمان" بننے کی دعوت دے۔ کیا وہ تحریک یہی تحریک کانگرس ہے جو مسلمانوں کا ایک الگ نام بھی سننا پسند نہیں کرتی۔ اور جسکے مسلمان علمبردار حضرات کہتے ہیں کہ مسلمان مت کہلاؤ۔ ہندی کہلاؤ۔ جو مسلمانوں کی "حیات ملی" کو تسلیم ہی نہیں کرتی اور کہتی ہے کہ ملک میں دو ہی جماعتیں ہیں۔ ایک حکومت اور دوسری کانگرس لیکن ٹھہریئے۔ خود حضرت مولانا کی زبانی ہی سُنئے کہ وہ تحریک جسکے اندر آج وہ خود شامل ہیں اور جس کی شمولیت مسلمانوں کے لیئے "فریضہ مذہبی" قرار دیتے ہیں۔ اس قسم کی تحریک کے متعلق اسلام کی کیا شہادت ہے فرماتے ہیں۔

پھر جب آپ ایک انجمن قایم کرتے ہیں جسکے مقاصد و اعمال کی فہرست بیسیوں دفعات پر مشتمل ہے۔ لیکن نہ تو اُس میں کہیں احیار دعوت اسلامی کی دفعہ ہے نہ کہیں اسلام کے احکام و اوامر پر عمل کرنے کی قید ہے نہ کوئی صورت عمل و طریق کار ایسا پیش نظر ہے جس کا مقصد مسلمانوں کو مسلمان بنانا ہو اور اُن کی مجاہدانہ روح عمل کو واپس لانا ہو۔ تو پھر فرمایئے آپکا مقصد تو ضروری اور آپکے کام یقیناً اچھے اور مستحق اعانت و شرکت جمیع مسلمین لیکن ہمارے اصلی مرض کے لیئے آپ نے کیا کیا اور اسکے لیئے کہاں جائیں؟" (الہلال بابت ۳۰ جولائی ۱۹۱۲ء ص۸)

کیا حضرت مولانا فرمائیں گے کہ کانگرس کی دفعات میں وہ کون سی دفعہ ہے۔ جس کی رو سے احیاء دعوت اسلامی ضروری اور اسلام کے احکام و اوامر پر عمل کرنیکی قید ہو۔ کانگرس کے دستور اساسی میں وہ کون سی صورت عمل اور طریق کار پیش نظر ہے جس کا مقصد مسلمانوں کو مسلمان بنانا ہو اگر اسکا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو پھر فرمایئے کہ آپ کا مقصد تو ضروری (یعنی انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنا) اور آپکے کام یقیناً اچھے (یعنی ہندوستان میں ایک متحدہ قومیت پیدا کرنا) اور مستحق اعانت و شرکت جمیع مسلمین (جیسے پنڈت جواہر لعل نہرو Muslim Mass Contact

سے تعبیر کرتے ہیں، لیکن ہمارے اصلی مرض کے لیے آپنے کیا کیا اور اسکے لیے کہاں جائیں !! کیا حق و صداقت کی تحریک یہی ہے جسکا نام کانگرس کا شعبۂ اسلامیات ہے اور جسکے انچارج ڈاکٹر اشرف اور ایک ذمہ دار رکن جناب منظر رضوی کے خیالات ابھی ابھی پیش کیے جا چکے ہیں ! مولانا خدا کے لیے سوچیے کہ جس قسم کی تحریک کو ۱۹۱۳ء میں آپ اِس حتم و یقین اِس بصیرت و ایقان کے ساتھ مسلمانوں کی تباہی اور بربادی کا سامان قرار دیتے تھے۔ اُسی تحریک کو آج عین کتاب و سُنت اور صراطِ مستقیم قرار دے رہے ہیں۔ کیا آج قرآن بدل گیا یا مسلمانوں کے کعبہ کی سمت تبدیل ہو گئی !! اِسکا جواب بھی مولانا ہی سے سنیئے۔

اسلام ایک آخری دینِ الٰہی تھا جسنے نہ صرف احکامِ شریعت ہی میں بلکہ حیاتِ قومی کی ہر شاخ میں ہم کو سب سے آخر اور سب سے بہتر اُصول دیدیئے اور دُنیا خواہ کتنی ہی بدل جائے لیکن آزما لیا جا سکتا ہے کہ ان اصولوں کی صداقت کو بدلنے کی ضرورت نہیں ...... تکمیلِ دین کے لیے ضروری تھا کہ ہمیشہ کے لیے اِسکے پیرو اپنی تمام اصولی ضروریات میں مستغنی اور بے پروا ہو جائیں اور ان کو کسی نئی تلاش اور نئے اصولوں کی جستجو باقی نہ رہے .... میرا عقیدہ ہے کہ آج حیاتِ ملّت و حصولِ عظمتِ ملّی کے لیے مسلمانوں کو اپنے اعمال کی کسی شاخ میں بھی "تاسیس" کی ضرورت نہیں بلکہ صرف "تجدید" کی ضرورت ہے کہ جن اصولوں کو ہم نے بھُلا دیا ہے انکو دوبارہ زندہ کریں اور جس متاع کو حاصل کر کے گم کر دیا ہے اِسکے سُراغ میں پھر نکلیں۔ ہمارا جیبِ دامن آج کی طرح ہمیشہ خالی نہ تھا اگر آج اوروں کے پاس لعل و جواہر ہیں تو ہمارے پاس بھی اسکی کانیں تھیں۔ آج اگر ہم مفلس ہیں تو دوسروں کے لعل و جواہر کو نظرِ حسرت و طمع سے دیکھنے کی ضرورت نہیں ہم کو اپنی گم کردہ کانوں کے سُراغ میں نکلنا چاہیئے جن کی دولت لازوال تھی اور ہمیشہ لازوال ہی (ایضاً ص۸)

اسکے بعد انھوں نے تفصیل سے بیان کیا ہے کہ مسلمانوں کو اپنی جماعتی زندگی کی تنظیم اپنی مساجد سے شروع کرنی چاہیئے۔ اِسکے علاوہ اور کوئی تقلیدی رنگ کی تحریک مسلمانوں کے لیے مفید نہیں ہوسکتی (ایضاً ص۹) کیا ہم حضرت مولانا سے اتنا دریافت کرنیکی جرائت کر سکتے ہیں کہ کانگرس کی تحریک مسلمانوں

کے لیئے "تجدید" ہے یا "تاسیس" کیا یہ تحریک مسلمانوں کی "حیات ملت اور حصول عظمت ملی" کے لیئے ہی عمل میں لائی گئی ہے؟ کیا وہ لعل وجواہرات کی کانیں وہی تو نہیں جن کا آج اس تحریک کے علمبرداران کھلے بندوں تمسخر واستہزا اڑاتے ہیں! وہ آپ کے اٹل اور غیر متبدل اصول وہی تو نہیں جنکے منانے کی آرزو تحریکِ آزادی کے قائدِ اعظم کے دل میں دن رات موجزن ہے! (اسکا ثبوت ابھی آگے آئے گا) کیا کانگرس میں شامل ہونیوالے "مسلمان" دوسروں کے لعل وجواہر کو نظر حسرت وطمع سے نہیں دیکھ رہے؟ کیا اس تحریک سے آپ کو اپنی گم کردہ کانوں کا "سراغ" مل رہا ہے؟ کیا اس سے وہ تنظیم ملی عمل میں آرہی ہے جسکی ابتدا مساجد سے ہوتی تھی!!

اَللّٰہُ اکبر! انسان بھی ایک ظرفہ تماشہ ہے! جب اسکے رجحانات قلبی وذہنی اسکی نگاہ کا ایک زاویہ بدل دیں تو وہ کس قدر تضاد کا مجموعہ بنجاتا ہے اور کس طرح زہر کو آبِ حیات بنا کر پیش کرتا ہے؟ کتنی جلدی بھول جاتا ہے کہ جب اسکی آنکھوں پر کوئی رنگین چشمہ نہ تھا تو سامنے کی چیزوں کے اصلی رنگ کیا تھے! یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ پھر یہ بھی دیکھئے کہ جس چیز نے مسلمانوں کو تباہ کر دیا تھا وہ کیا تھی؟ فرماتے ہیں

> "ایک بہت بڑی چیز جس کی ہم میں کمی ہے تنظیمات عمل (آرگنائزیشن) ہے اور اسکے لیئے اتنا ہی کافی ہے کہ ایک مقصد مشترک سامنے ہو اور سب میں اسکے نام سے ایک رشتہ باہمی قایم ہوجائے" (ایضاً صلا)

آج اسی تنظیمات عمل (آرگنائزیشن) کا نام فرقہ پرستی (Comonunalism) (جو حضرت مولانا اور دیگر "قوم پرست" حضرات کے نزدیک اتنا بڑا جرم ہے کہ جسکی معافی نہ یہاں ملسکتی ہے نہ خدا کے حضور) پھر اسوقت مقصد مشترک "حیات ملت اور عظمت ملی" تھا اور آج وہ مقصد تمام اہل ہند کی ایک "متحدہ قومیت" کی تشکیل ہے!

پھر ہم نے بیان کیا ہے کہ اسلام کی رو سے مسلمانوں کے لیئے صحیح نظام زندگی یہ ہے کہ ان کی اپنی جماعت ہو اور اس جماعت کا مرکز انکا اپنا امیر ہو۔ یہی جماعتی نظام مسلمانوں کے تمام دینی اور دنیاوی مسائل حیات کا فیصلہ کرے۔ اسلام کسی مخلوط جماعت کا قائل ہی نہیں، اسکے نزدیک ایمان اور کفر دو مستقل بالذات الگ الگ نظریۂ زندگی ہیں جن میں باہمی امتزاج ہو ہی نہیں سکتا۔ اب دیکھئے

کہ حضرت مولانا کا اِس اپنی جماعت کے متعلق کیا خیال تھا۔ ذرا غور سے سنئے۔ فرماتے ہیں

اور اِسی بنا پر شارع نے اسلام اور اسلامی زندگی کا دوسرا نام جماعت رکھا ہے اور جماعت سے علیحدگی کو "جاہلیت" اور حیات جاہلی سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ آگے بالتفصیل آئیگا

(مسئلہ خلافت و جزیرۃ العرب از مولانا آزاد)

اسکے بعد حضرت مولانا نے متعدد احادیث سے ثابت کیا ہے کہ جو شخص اپنی جماعت سے ایک بالشت بھر بھی الگ ہو گیا سیدھا جہنم میں پہونچا اسکے بعد ارشاد ہے۔

"قرآن کے نزدیک فرد اور فردی ہستی کوئی شئی نہیں ہے۔ ہستی صرف اجتماع اور جماعت کی ہے اور فرد کا وجود اور اعمال بھی اسلیئے ہیں تاکہ اُنکے اجتماع و تالیف سے ہیئت اجتماعیہ پیدا ہو" (ایضاً)

اِس سے ذرا آگے ہے:۔

اور پھر یہ حقیقت کس قدر واضح ہو جاتی ہے جب ان تمام احادیث پر غور کیا جائے جن میں مسلمانوں کی متحدہ قومیت کی تصویر کھینچی گئی ہے۔۔۔۔۔ سو ان تمام تصریحات میں بھی اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ اسلام کی قومیت متفرق اینٹوں کا نام نہیں ہے دیوار کا نام ہے۔ (ایضاً)

کیا حضرت مولانا اتنا ارشاد فرمانے کی زحمت گوارا فرمائیں گے کہ مسلمانوں کی اس اجتماعی زندگی کا تصور آج کہاں چلا گیا! ان کی الگ جماعت کے اسلامی نظریہ کو آج کیا ہوا! یہ اسلامی متحدہ قومیت آج ہندی "متحدہ قومیت" سے کس طرح بدل گئی کہ جس کی اساس اسلام پر نہیں بلکہ وطن پر رکھی جا رہی ہے۔ یہ اجتماع کے بجائے افراد کی الگ الگ زندگی۔ جو کل تک قرآن و سنت کی رو سے جاہلیت کی زندگی تھی۔ آج کس طرح عین اسلامی زندگی بن گئی! یہ اسلامی اینٹیں کہ جنہیں باہمی اتحاد و ائتلاف کے سمینٹ سے ملکر ایک ایسی مستحکم دیوار۔ ایک ایسی "بنیان مرصوص" بننا تھا کہ جو کفر کی بڑھتی ہوئی رَو کا مقابلہ کر سکے۔ آج یہی اینٹیں۔ ایک ایک کر کے اس دیوار میں کیوں چنی جا رہی ہیں کہ جس کی بنیاد ہی یکسر غیر اسلامی ہے! کیا حضرت مولانا مع اپنے تمام رفقاء کار کے کوئی ایک آیت کوئی ایک حدیث ایسی پیش کر سکتے ہیں جس میں یہ لکھا ہو کہ ملت اسلامیہ کی یہ اینٹیں۔ کسی دوسری ملت کی اینٹوں کے ساتھ ملکر ایک مخلوط دیوار بھی قائم کر سکتی ہیں۔

ہمیں شبہ نہیں کہ حضرت مولانا۔ یا اُنکے دوسرے ہم مسلک مسلم قوم پرست حضرات کو کسی طرح بھی مجبور نہیں

کر سکتے کہ وہ ہمارے ان استفسارات کا جواب دیں لیکن اگر انہیں ذرا سا بھی احساس ہے کہ قرآن و سنت کا بھی بالآخر کوئی حق ان پر واجب آتا ہے تو خدا کے لیے اپنی اس بے پناہ خاموشی کی مہر کو توڑ دیں اور کم از کم اتنا تو بتا دیں کہ اس تبدیلیٔ مسلک کی تائید میں کون سی سند ان کے پاس ہے؟ اس مسلک کی تبدیلی کے جواز میں جس کے متعلق ان کا ارشاد تھا کہ :-

"احادیث صحیحہ سے اسکی مزید توضیح ہوتی ہے۔ اس بارہ میں اس کثرت کے ساتھ حدیثیں موجود ہیں اور عہد صحابہ سے لیکر عہد تدوین کتب تک مختلف طبقات رواۃ حفاظ میں اس قدر ان کی شہرت رہ چکی ہے کہ اسلام کے عقیدۂ توحید و رسالت کے بعد شاید ہی کوئی چیز اس درجۂ تواتر و یقین تک پہونچی ہوگی۔ سب سے پہلے ہم مسند امام احمد وغیرہ کی ایک روایت نقل کرینگے جس میں بالترتیب اسلام کا نظام عمل بیان کیا گیا ہے۔ قال صلی اللہ علیہ وسلم انی امرکم بخمس اللہ امرنی بھن الجماعۃ، والسمع والطاعۃ والھجرۃ۔ والجھاد فی سبیل اللہ انہ من خرج من الجماعۃ قید شبر فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ الا ان یراجع ومن دعا بدعوی جاھلیۃ فھو من جھنم۔ قالوا یا رسول اللہ وان صام وان صلی۔ قال وان صلی وصام وزعم انہ مسلم۔

یعنی فرمایا تم کو پانچ باتوں کے لیے حکم دیتا ہوں جن کا حکم اللہ نے مجھے دیا ہے۔ جماعت سمع۔ طاعت۔ ہجرت اور اللہ کی راہ میں جہاد یقین کرو کہ جو مسلمان جماعت سے ایک بالشت بھر بھی باہر ہوا تو اُسنے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دیا۔ اور جس نے اسلام کی جماعتی زندگی کی جگہ جاہلیت کی بیقیدی کی طرف بُلایا تو اُسکا ٹھکانا جہنم ہے لوگوں نے عرض کیا کہ حضور! کیا ایسا شخص جہنمی ہوگا خواہ وہ روزہ رکھتا ہو۔ نماز پڑھتا ہو! فرمایا۔ ہاں اگرچہ نماز پڑھتا ہو۔ اور روزہ رکھتا ہو۔ اور بزعم خویش اپنے آپ کو مسلمان ہی کیوں نہ سمجھتا ہو۔"

اسکی تشریح میں فرماتے ہیں :-

پہلی چیز جماعت ہے یعنی تمام امت کو ایک خلیفہ و امام پر جمع ہو کر اور اپنے مرکز قومی سے جڑ کر رہنا چاہیئے الگ الگ نہیں رہنا چاہیئے۔ آگے چلکر شہرت کے ساتھ وہ حدیثیں ملیں گی

جن سے معلوم ہوگا کہ جماعت سے الگ ہو کر رہنے کو یا ایسی منتشر زندگی کو جو ایک بندھی سمٹی ہوئی جماعت کی شکل نہ رکھتی ہو اور کسی امر کے تابع نہ ہو۔ اسلام نے غیر اسلامی اور ابلیسی راہ قرار دیا ہے۔ انفرادی زندگی کو وہ زندگی ہی نہیں مانتا۔ اسلامی زندگی جماعت ہے (ایضاً)

کیا حضرت مولانا کبھی رات کی تنہائیوں میں موجودہ مصلحت کوشیوں کو یکسر الگ رکھ کر اتنا سوچیں گے کہ آج جس روش پر وہ خود گامزن ہیں اور جس پر چلنے کی وہ مسلمانوں کو دعوت دے رہے ہیں۔ وہ ان کے اپنے ہی الفاظ میں کس کی روش ہے؟ مسلمانوں کا اپنی جماعت[لہ] کا تنظیم کرنا۔ ان کا اپنے مرکز قومی سے جڑ کر رہنا۔ یہ اسلامی زندگی ہے۔ یا ان کا ایک ایک کر کے ایک ایسی مخلوط جماعت میں جا کر جذب ہوتے جانا جس کے عناصر ترکیبی میں کوئی عنصر بھی اسلامی نہیں؟ کیا یہی مسلمانوں کا "اپنا مرکز قومی" ہے؟ ہم جانتے ہیں کہ آج بیچاری کمزور و ناتواں ملتِ اسلامیہ کے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے جس سے وہ ان حضرات کی مُہرِ سکوت کو توڑ سکے لیکن بالآخر ایک دن ایسا بھی تو آنے والا ہے جب کہ زبانیں خاموش ہوں گی لیکن جسم کا ایک ایک حصہ گواہی دیگا کہ حق کیا تھا اور باطل کیا! یہ قرآن و سنت کی تصریحات ہم اپنی طرف سے پیش نہیں کر رہے یہ تو خود انہیں حضرات کی پیش فرمودہ ہیں۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ان سے قطعاً اس چیز کی باز پرس ہوگی کہ ان تمام تصریحات کو خود ہی بیان کرنے کے بعد تم لوگ کس راستے پر چل پڑے اور دوسرے لوگ اس خیال سے کہ تم قرآن و سنت کے جاننے والے ہو، تمہارے تتبع میں تمہارے پیچھے ہو لیے کیا ان سب کی ذمہ داری بھی انہی پر عائد نہ ہوگی۔ ذرا قرآن کریم کو کھول کر دیکھئے کہ اس باب میں احکم الحاکمین کا کیا فیصلہ ہے؟ انہی حضرات کی زبانی سنئے فرماتے ہیں

"پس جاہلیت کا دوسرا نام تفرقہ ہوا اور اسلام کا دوسرا نام جماعت اور التزام جماعت ہی وجہ ہے کہ تمام احادیث میں یہ حقیقت واضح کی گئی اور اعلان کیا گیا کہ جو شخص جماعت اور اطاعت امام سے الگ ہو گیا۔ گویا وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔ اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔ اگرچہ نماز پڑھتا ہو اور روزہ رکھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو۔" ایضاً

ہم اس پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتے کہ یہ ان حضرات کی شان میں سوء ادبی سمجھی جائے گی۔ جب خدا اور اس کا رسول یہ کچھ فیصلہ کر رہا ہو تو ہمیں کسی اضافہ کی کیا ضرورت ہے۔ اب یہ بھی ملاحظہ فرمائیے کہ مسلمانوں کے لئے راہ عمل کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

لہ کانگرس نقطۂ کلیہ ہند و سکھ مسلم عیسائی کی ہی نہیں بلکہ ہر ہندوستانی کی جماعت ہے اس کا دروازہ ہر ایک کے

مسلمانوں کے لئے راہ عمل ہمیشہ سے ایک ہی رہی ہے اور ہمیشہ کی طرح اب بھی ایک ہی ہے یعنی ہندوستان کے مسلمان اپنی جماعتی زندگی کی اس معصیت سے باز آجائیں جس میں وہ ایک عرصہ سے مبتلا ہیں اور جس کی وجہ سے فوز و فلاح کے تمام دروازے ان پر بند ہو گئے ہیں۔ جماعتی زندگی کی معصیت سے مقصود یہ ہے کہ ان میں ایک جماعت بنکر رہنے کا شرعی نظام مفقود ہو گیا ہے۔

وہ بالکل اس گلہ کی طرح ہیں جس کا انبوہ جنگل کی جھاڑیوں میں منتشر ہو کر گم ہو گیا ہو۔ (ایضاً)

ایسی غیر اسلامی زندگی کا نتیجہ کیا ہوتا ہے اس کے متعلق ارشاد ہے۔

قرآن و سنت نے بتلایا ہے کہ شخصی زندگی کے معاصی کسی قوم کو یکایک برباد نہیں کر دیتے۔ اشخاص کی معصیت کا زہر آہستہ آہستہ کام کرتا ہے۔ لیکن جماعتی زندگی کی معصیت کا تخم (یعنی نظام جماعتی کا نہ ہونا) ایسا تخم ہلاکت ہے جو فوراً بربادی کا پھل لاتا ہے اور پوری قوم کی قوم تباہ ہو جاتی ہیں۔" (ایضاً)

ہمیں بالعموم بتایا جاتا ہے کہ صاحب مسلمانان ہند کے سامنے دو چیزیں ہیں۔ ایک تو جماعتی تنظیم اور دوسرا ہندوستان سے انگریزوں کو نکال دینا۔ چونکہ انگریزوں کی غلامی بہت بڑی لعنت ہے اس لئے مقدم یہ مسئلہ ہے۔ جب یہ حل ہو جائے گا تو پھر مسلمانوں کی جماعتی زندگی کا سوال ہاتھ میں لے لیا جائے گا۔ آج یہ دلیل دی جاتی ہے اور یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ یہ دلیل بڑی محکم ہے۔ لیکن جادو وہ جو سر پر چڑھ کے بولے خود حضرت مولانا کو اقرار ہے کہ جماعتی زندگی کی معصیت کا تخم (یعنی نظام جماعتی کا نہ ہونا) ایسا تخم ہلاکت ہے جو فوراً بربادی کا پھل لاتا ہے اور پوری قوم کی قوم تباہ ہو جاتی ہے۔ اب فرمائیے کہ مقدم جماعتی زندگی کی تنظیم ہوئی یا انگریزوں کا ہندوستان سے نکالنا۔ ہم مانے لیتے ہیں کہ کانگریس کے ساتھ مل کر آپ انگریزوں کی آزاد ہو جائیں گے لیکن جب آپ آزاد ہوں گے تو اس وقت ملت اسلامیہ کہاں ہوگی؟ کیا تخم ہلاکت جو فوراً بربادی کا پھل لاتا ہے۔" پوری قوم کی قوم تباہ نہ کر چکا ہوگا۔ اس وقت کی آزادی سے آپکو خوشی کیا ہوگی! پچھلے دنوں لندن کے ایک بہت بڑے ڈاکٹر نے ایک معرکۃ الآرا اپریشن کیا۔ اپریشن بڑا نازک تھا۔ تمام دنیا کے اہل فن حضرات کی آنکھیں نتیجہ کی طرف لگ رہی تھیں۔ وہ اپریشن سے فارغ ہوا تو ساری دنیا میں مسرت کے تار دئے کہ اپریشن بڑا کامیاب رہا۔ نہایت صفائی سے نازک ترین مراحل طے ہو گئے۔ البتہ صرف اتنا ہوا کہ مریض چل بسا۔ یہ حضرات اسی قسم کے اپریشن میں مصروف ہیں اور پھر متمنی ہیں کہ قوم ان کی خدمات جلیلہ کی شکر گزار ہو کیا ان کو اتنا بھی علم نہیں کہ انگریزوں کی غلامی میں مسلمان اسی لئے آ گئے تھے کہ ان میں جماعتی

زندگی کا فقدان ہو چکا تھا۔ اور اب مسلمان "غلامی سے نکل بھی اس وقت سکیں گے جب ان میں جماعتی نظام پیدا ہوگا۔ ہندوستان کی آزادی اور مسلمانوں کی زندگی" مرادف الفاظ نہیں ہیں۔ اس لئے کہ جس تشتت وافتراق جس جماعتی زندگی کی معصیت کے دور سے مسلمان آج گذر رہے ہیں۔ اس کا تو لازمی نتیجہ بقول حضرت مولنا۔ پوری کی پوری قوم کی تباہی ہے۔ جب قوم ہی نہ ہوگی تو آزاد کون ہوگا! مسلمانوں کی آزادی کا مفہوم تو یہ ہے جو خود حضرت مولانا نے اپنے مسلک قومیت پرستی سے پیشتر ان الفاظ میں بیان فرمایا تھا۔

"اسلام میں حق امر و حکم کسی کو نہیں۔ وہ دنیوی انتظام و حکومت میں جب کسی ایک فرد کے استبداد کو تسلیم نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ ان الحکم الا للہ تو اس کے احکام دینیہ کیونکر تابع آراء اشخاص و جماعت مخصوصہ ہو سکتے ہیں! اس نے یہ حق صرف قرآن کو دیا ہے یا پھر دنیوی امور میں اس اجماع کو جو تمام مسلمانوں کی اکثریت رائے سے عبارت ہے" (الہلال ۸ اکتوبر ۱۹۱۳ء) اور اسی کا نام ہے "اسلامی نظام اجتماعی"۔ لیکن مولانا حسین احمد صاحب مدنی فرماتے ہیں۔

"ایسی جمہوری حکومت جس میں ہندو مسلمان سکھ عیسائی پارسی سب شامل ہیں۔ حاصل کرنے کے لئے سب کو متفقہ کوشش کرنی چاہیئے ایسی مشترکہ آزادی اسلام کے اصول کے عین مطابق ہے اور اسلام اس آزادی کی اجازت دیتا ہے" (زمزم، جولائی ۱۹۳۸ء)

اور خود مولانا آزاد آج عملاً اسی قسم کی آزادی کے حصول اور اسی قسم کی جمہوری حکومت کے قیام کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ اور جسے جہاد عظیم قرار دے رہے ہیں۔ اسی قسم کی جمہوری حکومت کی سند ملاحظہ ہو۔

"آپ روزانہ مسجدیں غیر مسلم انجینیر سے بنواتے ہیں۔ غیر مسلم ڈاکٹروں سے علاج کراتے ہیں سینکڑوں کام روزمرہ غیر مسلموں سے کراتے ہیں۔ کیا یہ سب ناجائز ہیں؟" (تقریر مولانا حسین احمد صاحب۔ زمزم۔ ۷ جولائی ۱۹۳۸ء) یعنی جب تم ہندو انجینیر سے اپنی مرضی کے ماتحت اپنی متعین کردہ سمت اور وضع کے مطابق مسجد کا نقشہ تیار کر لیتے ہو یا ہندو حجام سے خط بنوا لیتے ہو تو ایسے نظام حکومت کے قیام میں کیا اعتراض ہو سکتا ہے جس میں ہندو بھی شامل ہوں۔ بلکہ اکثریت انہی کی ہو! کیا عجیب قرآنی استدلال ہے اور کیسی نادر تفسیر ہے اس آیت مقدسہ کی کہ وامرھم شوریٰ بینھم یعنی مسلمانوں کی حکومت ان کے اپنے

باہمی مشوروں سے ہوگی۔

یہاں پہنچکر آپ کے دل میں فطرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوگا کہ جب مولانا آزاد کے نزدیک چند سال ادھر اسلام نام ہی اس چیز کا تھا کہ مسلمانوں کی الگ جماعت ہو۔ ان کی اپنی متحدہ قومیت ہو۔ ان کا اپنا مرکز ہو۔ ان کے تمام معاملات اس نظام کی رُو سے طے پائیں جو خاص قرآن و سنّت کی روشنی میں ان کی اپنی اکثریت کی رُو سے وجود میں آئیں۔ ان کے لئے کوئی ایسی تحریک جو ان کی احیائے ملی کے لئے عمل میں نہ آئی ہو۔ کبھی قابل قبول نہیں ہو سکتی خواہ اس کے مقاصد کتنے ہی دلکش کیوں نہ ہوں۔ کوئی ایسی تحریک جو ان کو انفرادی اور ملی حیات کے ہر شعبہ میں "مسلمان" بننے کی دعوت نہ دیتی ہو۔ کبھی حق و صداقت کی تحریک نہیں ہو سکتی جب حضرت مولانا کا ایقان اور ایمان یہ تھا۔ تو پھر آج یہ کیا ہوا کہ ان کے نزدیک یہ تمام اصول مردود قرار پا گئے اور ان کی جگہ ایک ایسے مسلک نے لے لی جس کی رُو سے ان اصولوں کا نام تک لینا بھی جرم قرار پایا گیا اس کا جواب شاید آپ کو نہ مل سکے۔ لیکن آیئے ہم آپکو تھوڑا سا سراغ دیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولنا قرآن کریم میں ناسخ و منسوخ کے قائل ہیں۔ سو قرآن کریم کی وہ آیات جن کی رُو سے وہ پہلے اصول اسلامی ثابت کیا کرتے تھے بعد میں منسوخ ہو گئے۔ لیکن یہاں پھر یہ مشکل آ پڑے گی کہ آپ کو منسوخ آیات کا تو پتہ مل جائیگا۔ مگر یہ پتہ نہیں مل سکیگا کہ ناسخ آیات کون سی ہیں۔ اس لئے کہ جب سے حضرت مولانا نے یہ نیا مسلک اختیار فرمایا ہے۔ اس مسلک کی تائید میں آج تک کوئی آیت و حدیث پیش نہیں کی۔ لہذا یہ ناسخ آیات آپکو قرآن کریم میں نہیں ملیں گی۔ بلکہ ان ناسخ احکام کا ماخذ کچھ اور ہے ذرا غور سے ملاحظہ فرمائیے۔

اصولی چیز تو یہی ہے نا کہ مسلمانوں کی الگ جماعت اور اپنی متحدہ قومیت ہونی چاہیئے۔ اس کے متعلق ارشاد ہے۔

> ہندوستان میں **مسلم قومیت** پر زور دینے کا مطلب کیا ہوتا ہے! بس یہی کہ ایک قوم کے اندر ایک دوسری قوم موجود ہے۔ جو یکجا نہیں منتشر ہے۔ مبہم ہے اور غیر منتقن ہے۔ اب سیاسی نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے تو یہ تخیل بالکل لغو معلوم ہوتا ہے اور معاشی نقطۂ نظر سے یہ بہت دور از کار ہے اور بدقت قابل توجہ کہا جا سکتا ہے ..... **مسلم قومیت** قومیت کا ذکر کرنے کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں کوئی قوم ہی نہیں بس **مذہبی اخوت** کا رشتہ ہی ایک ایسی چیز ہے اس لئے جدید مفہوم میں کوئی قومیت نشو و نما نہ پا سکے۔" (میری کہانی)

۲

از پنڈت جواہر لعل نہرو - جلد دوم ص ۴۳۲)

آیا آپ کے خیال میں کہ مسلم قومیت کا نظریہ ہمارے مسلم قوم پرست حضرات کے نزدیک "لغو" کیوں قرار پاگیا اور آگے بڑھئے - ارشاد ہے -

ایسے لوگ ابھی تک زندہ ہیں جو ہندو مسلمانوں کا ذکر اس طور پر کرتے ہیں گویا دو ملتوں اور قوموں کے بارے میں گفتگو ہے - جدید دنیا میں اس دقیانوسی خیال کی گنجائش نہیں ہے

(خطبہ صدارت آل انڈیا نیشنل کنونشن منعقدہ مارچ ۱۹۳۸ء - از پنڈت جواہر لعل نہرو) کسقدر حسرت اور کتنا استعجاب ٹپکتا ہے اس فقرہ سے کہ ابھی تک ایسے لوگ زندہ ہیں" گویا ان کے نزدیک زندہ رہنے کا حق صرف انہی کو ہونا چاہیئے جو اس دقیانوسی خیال سے توبہ کر کے ان کی ہمنوائی میں فتوے صادر کر دیں کہ مسلمان کوئی الگ قوم و ملت نہیں ہے - آج قومیت کی بنیاد مذہب پر نہیں بلکہ اوطان پر رکھی جاتی ہے -

"مسلم قومیت" کا تصوّر - جیسا کے ہم نے شروع میں بیان کیا ہے - اس نظریہ کے ماتحت پیدا ہوتا ہے کہ اسلام ایک پرائیویٹ عقیدہ کا نام نہیں بلکہ یہ ایک منظم مذہب (Organized Religion ہے اور یہی خصوصیت ہے جو اسلام کو دیگر ادیان سے متمیز کرتی ہے - اسکے برعکس ہمارے قوم پرست حضرات مذہب کو پرائیویٹ عقیدہ قرار دیتے ہیں اور اسی قسم کے مذہب کی آزادی کی ضمانت دیتے ہیں - اب دیکھیے کہ ہمارے مسلم قوم پرست حضرات نے یہ نظریہ کہاں سے لیا ہے - پنڈت جی ارشاد فرماتے ہیں:-

"جس چیز کو مذہب یا منظم مذہب کہتے ہیں اُسے ہندوستان میں اور دوسری جگہ دیکھ دیکھ کر میرا دل ہیبت زدہ ہو گیا ہے - میں نے اکثر مذہب کی مذمت کی ہے اور اسے یکسر مٹا دینے کی آرزو تک کی ہے - قریب قریب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اندھے یقین اور ترقی دشمنی کا بے دلیل عقیدت اور تعصب کا - توہم پرستی اور لوگوں سے بے جا فائدہ اٹھانے کا - قائم شدہ حقوق اور مستقل حقوق آنیوالوں کی بقا کا حمایتی ہے" - (میری کہانی ص ۱۹۱)

غور فرمایا آپنے کہ یہ "منظم مذہب" کو مٹانے کی آرزو کہاں سے پیدا ہوئی ہے! اور چونکہ "منظم مذہب" دُنیا میں صرف اسلام ہی ہے اسلئے بالفاظ دیگر "اسلام کو مٹانے" کی وہ آرزو کہاں سے پیدا ہو رہی ہے جس کی تائید ہمارے مسلم قوم پرست حضرات کر رہے ہیں - اور آگے بڑھیئے ارشاد ہے -

منظم مذہب بلا استثنار مستقل اغراض سے وابستہ ہوجاتا ہے اور یوں لازمی طور پر ایک
ترقی دشمن قوت بنکر تغیر اور ترقی کی مخالفت کرتا ہے۔" (ص ۱۶۷)

ملاحظہ فرمایا آپنے۔ وہی مقصد اسلامی جسے حضرت مولانا "احیائے ملی" سے تعبیر فرماتے تھے۔ اب ایک ایسے گھناؤنے جذبہ کا نام ہوگیا جسے مستقل اغراض سے تعبیر کیا جارہا ہے۔ اور اس نظریہ کو "ترقی" کا دشمن کہا جاتا ہے۔ گویا "ترقی" یہ ہے کہ "منظم مذہب" یا اسلامی جماعتی نظام کا وجود دنیا میں نہ رہے۔

وہی "مسلم قومیت" جسکے متعلق حضرت مولانا پورے ایقان و بصیرت سے فرماتے تھے کہ عین اسلام ہے۔ اسکے متعلق ارشاد ہے۔

مسلم قوم کا تخیل تو صرف چند لوگوں کی من گھڑت اور محض پرواز خیال ہے۔ اگر اخبارات
اسکی اس قدر اشاعت نہ کرتے تو بہت تھوڑے لوگ اس سے واقف ہوتے اور اگر زیادہ
لوگوں کو اسپر اعتقاد ہوتا بھی تو حقیقت سے دوچار ہونے کے بعد اسکا خاتمہ ہوجاتا (ایضاً ص ۳۴۰)

امید ہے کہ حضرت مولانا نے سابق صدر کانگریس سے ضرور معذرت حاصل کرلی ہوگی۔ کیونکہ ہندوستان کے مسلمانوں میں اس مسلم قومیت کے تخیل کی اشاعت کے زیادہ تر ذمہ دار خود ہی تھے۔

مضمون بہت زیادہ بڑھ گیا۔ اس لئے ہم سر دست اتنے ہی اقتباسات پر اکتفا کرتے ہیں۔ انہیں سے آپنے اندازہ لگالیا ہوگا کہ ہمارے مسلم قوم پرست حضرات نے جو اپنا رخ کعبہ سے پھیر کر "ترکستان" کی طرف کرلیا ہے وہ کس قبلہ نما کی سوئی کے رخ کو دیکھکر کیا ہے۔ تاسف صرف اس چیز کو دیکھکر ہوتا ہے کہ امیال و عواطف انسان کو کیا سے کیا بنا دیا کرتے ہیں وہی مولانا آزاد جو لاہور کی انجمن کے ایک ریزولیوشن کو دیکھکر سرتاپا آگ ہوجاتے تھے اب کچھ ایسے بیٹھے ہیں کہ تمام چیزیں اپنی آنکھوں سے پڑھ رہے ہیں۔ اسلامی محکمات کا یوں تمسخر اڑتا دیکھ رہے ہیں۔ اور ایک لفظ احتجاج کا نہ ان کی زبان سے نکل سکتا ہے نہ قلم سے۔ اور اسی پر اکتفا نہیں بلکہ وہ تمام مسلمانان ہند کو عملاً بتارہے ہیں کہ وہ راستہ جو اس کانگریس کا تجویز فرمودہ ہے جس کے قائد اعظم کے خیالات آپنے ملاحظہ فرمالئے ہیں وہی راستہ دین کا صراط مستقیم ہے۔ اور اس کے علاوہ جو بھی راستہ ہے۔ باطل کا راستہ ہے۔ اس کے جواب میں سوائے اس کے کہ ہمارے دکھے ہوئے دل کی

ملہ ہندو مہا سبھا ویسے ہی ہندوؤں کی الگ جماعت ہے جیسے مسلم لیگ مسلمانوں کی ... کانگریس ہندوستان میں بسنے والے ہر ہندوستانی کی جماعت ہے" (تقریر مولانا حسین مدنی۔ زمزم ۷ رجولائی ۱۹۳۸ء)

آہیں۔ سرمد مرحوم کی ایک رباعی کی شکل میں حضرت مولانا اور ان کے دیگر ہم مسلک علمائے کرام کی خدمت میں شرف پذیرائی حاصل کرلیں۔ ہم اور کیا کہہ سکتے ہیں ؎

سرمد در دیں عجب شکستے کر دی | ایمان۔ فدائے چشم مستے کر دی!
باعجز و نیاز جملہ نقد خود را | رفتی و نثار بت پرستے کر دی

تحریک آزادی میں مسلمانوں کی پوزیشن کیا ہونی چاہیئے۔ اس کے متعلق دور قومیت پرستی سے پیشتر مولانا آزاد صاحب کو مذہب کیا سکھاتا تھا ملاحظہ فرمائیے۔

ہم نہایت حسرت کے ساتھ یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ جو لوگ تقسیم بنگال کی تنسیخ سے نہیں بلکہ پیشتر سے اپنے اندر آزادی اور حقوق طلبانہ پالیسی کا ولولہ رکھتے ہیں۔ گو عام راہ ضلالت سے الگ رہنے کا انہیں الاؤنس دینا چاہیئے۔ لیکن افسوس ہے کہ ان کے سامنے بھی ہندؤں کی پولٹیکل جد و جہد کے سوا کوئی متنقل اور علیحدہ راہ نہیں ہے۔ وہ بھی اپنی ترقی کا سدرۃ المنتہیٰ صرف یہ سمجھتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح ہندؤں کے قدم بقدم چلنا سیکھ جائیں۔ بلاشبہ ہمارے عقیدے میں بھی آجکل مسلمانوں کے لئے عبرت اور تنبیہ کا سب سے بڑا سبق ہندؤں کے سیاسی اعمال ہیں ہی اور بڑی بدبختی یہی تھی کہ آج تک اس سے عبرت حاصل نہیں کی گئی۔ لیکن پیروان "امام مبین" کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی مذہبی موت نہیں ہو سکتی کہ اعمالِ زندگی کے ایک ضروری شعبے میں ان کو اسلام تعلیم دینے سے مجبور و لاچار ہو گیا ہو اور اس کی طرف سے مایوس ہو کر انہیں ایک دوسری قوم کے دسترخوان کی چھوڑی ہوئی ہڈیوں پر للچانا پڑے۔ اگر ایسا ہی ہے تو بہتر ہے کہ سرے سے اسلام ہی کو خیرباد کہہ دیا جائے دُنیا کو ایسے مذہب کی کیا ضرورت ہے جو صرف خطبۂ نکاح میں چند آیتیں پڑھ دینے یا بستر نزع پر سورۂ یٰسین کو دُہرا دینے کے لیے کارآمد ہو سکتا ہے ہمارے نزدیک اسلام کے دامنِ تقدیس پر اس سے بڑھ کر اور کوئی بدنما دھبہ نہیں ہو سکتا کہ انسانی حریت اور ملکی فلاح کا سبق مسلمان دوسری قوموں سے لیں .... بس اگر مسلمان زندگی حاصل کر سکتے ہیں تو مسلمان بن کر، ہندو یا سیحی بنکر نہیں۔ اگر شمع کافوری جل رہی ہے تو آپ کو کسی فقیر کے جھونپڑے سے اسکا ٹمٹاتا ہوا دیا چرانے کی کیا ضرورت ہے۔ پھر یہ بھی فرض کر لیجیے کل ہندؤں کو اپنی پالیسی بدل دینی پڑی جتنی راہیں انسانی دماغ کی پیدا کردہ ہیں اُن میں تغیر و تبدل ہر وقت ممکن ہے البتہ خدا کی تعلیم میں ممکن نہیں کہ لا تبدیل لکمات اللّٰہ پھر کیا اس حالت میں مسلمان

بھی اپنے اماموں کے ساتھ اپنی نمازیں توڑ دیں گے! ذرا غور سے کام لیجئے کہ گہری اور تفکر طلب باتیں ہیں ہم مسلمانوں کے ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ خواہ کسی اصول پر مبنی ہو لیکن وہ ایک ایسی راہ پیدا کرلیں جو ان کی مستقل اور مخصوص راہ ہو جس میں کبھی تغیر کی ضرورت نہ ہو۔ تمام خارجی اثرات تغیر سے محفوظ ہوں۔ نیز کہا جاسکے کہ وہ مسلمانوں کی راہ ہے ...... ہمارے ملکی بھائی اپنے اندر صرف قومیت اور سیاست کی روح پیدا کر کے زندگی کی حرارت پیدا کرسکتے ہیں اسی طرح اور قومیں بھی۔ لیکن مسلمانوں کی تو کوئی علیحدہ قومیت نہیں جو کسی خاص نسل و خاندان یا زمین کے جغرافیائی تقسیم سے تعلق رکھتی ہو ان کی ہر چیز مذہب، یا بالفاظ مناسب تر ان کا تمام کاروبار صرف خدا سے ہے۔ پس جب تک وہ اپنے تمام اعمال کی بنیاد مذہب کو قرار نہیں دینگے۔ اسوقت تک ان میں نہ قومیت کی روح پیدا ہوسکے گی اور نہ وہ اپنے بکھرے ہوئے شیرازہ کو جمع کرسکیں گے۔ آج دنیا "قوم" اور "وطن" کے نام میں جو تاثیر رکھتی ہے مسلمانوں کے لیے وہ اثر صرف "اسلام" یا خدا کے لفظ میں ہے۔ یورپ میں "نیشن" کا لفظ کہہ کر ایک شخص ہزاروں دلوں میں حرکت پیدا کرسکتا ہے۔ لیکن آپ کے پاس اُسکے مقابلہ میں اگر کوئی لفظ ہے تو خدا یا "اسلام" ہے ... (لہٰذا)

(۱) مسلمانوں کے لیے ہر شے، ان کے مذہب میں ہے۔ پس وہ اگر آجکل اپنی پولیٹکل زندگی اپنے اندر پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اُس کی جگہ اس شئی ہی کو کیوں نہ پیدا کریں جو نہ صرف پالٹکس بلکہ قومی اعمال کی ہر شاخ کو زندہ کردے (۲) قرآن کریم صرف نماز اور وضو کے فرائض بتلانے کے لیئے ہی نازل نہیں ہوا بلکہ وہ انسانوں کے لیے ایک کامل اور اکمل قانونِ فلاح ہے جس سے انسانی زندگی کی کوئی شئی باہر نہیں پس مسلمانوں کی ہر وہ پالیسی اور ہر وہ عمل جو قرآنی تعلیم پر مبنی نہ ہوگا اُنکے لیئے موجب فوز و فلاح نہیں ہوسکتا

(۳) ان کو اپنا نصب العین صرف "اسلام" بنانا چاہیئے اور ساری طاقت اس میں صرف کرنی چاہیئے کہ وہ ہر طرف سے ہٹ کر صرف احکام اسلام کے مطیع و منقاد ہوجائیں، اسلام ہی انکے لیئے پالٹکس کی راہ کھولے گا۔ تعلیم کا حکم دیگا۔ اخلاق و فضائل میں تبدیلی پیدا کردیگا اور وہ تمام باتیں جن کو ترقی یافتہ قوموں میں دیکھ کر وہ للچا رہے ہیں۔ نقصانوں اور مضرتوں سے صاف ہو کر ان میں پیدا ہوجائیں گی۔

(۴) تعلیم معاشرت اور سیاست میں ان کو بربنائے اتباع اقوام کوئی راہ اختیار نہیں کرنی

چاہیئے بلکہ بر بنائے مذہب۔ (الہلال ۹ راکتوبر۔ ۲۳ راکتوبر ۶ رنومبر ۱۹۱۲ء)

کیا کوئی خدا کا بندہ ایسا ہے جو قوم کو اتنا پوچھ کر بتادے کہ قرآن کریم کی وہ تعلیم جس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل ممکن نہ تہا۔ وہ آج کس کی نذر ہوگئی! یہ نیا مسلک جو بر بنائے اتباع اقوام اختیار کیا جارہا ہے اور جس کی طرف مسلمانوں کو پکار پکار کر بلایا جارہا ہے۔ کون سے نئے قرآن سے حاصل کیا گیا ہے! مسلمانوں کی اِس مذہبی موت کا ذمہ دار کون ہے۔ جس کی رو سے انہیں ہندؤں کے قدم بقدم چلنا سکھایا جارہا ہے۔ وہ کون سا سامری ہے۔ جس کی فسوں سازیاں ملتِ بیضا کو خدائے طُور سینا سے گؤ سالہ پرستی کی طرف لیئے جارہی ہیں! وہ کون مقناطیس ہے جس نے مسلمانوں کے قبلۂ نما کی سوئی کا رُخ "آنند بھون" کی طرف پھیر دیا ہے۔ وہ کون ہے جو آج دوسروں کی چچوڑی ہوئی ہڈیوں کے پیچھے للچایا ہوا دوڑ رہا ہے وہ کون سا فقیر ہے جسکی جھونپڑی کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کو آج شمع کافوری سے بھی زیادہ درخشندہ و تابناک بناکر دکھایا جارہا ہے! وہ کون ہے! جو مسلمانوں کے اندر اسلام یا خدا کے نام سے نہیں بلکہ قوم اور وطن کے نام سے زندگی کی حرارت پیدا کرنا چاہتا ہے! وہ کون سی مستقل اور علیحدہ راہ ہے جو ہندؤں سے ہٹ کر مسلمانوں کے لیئے تجویز کی جارہی ہے وہ کون سا گروہ ہے جو آج مذہب کو خطبۂ نکاح اور وضو اور غسل کے مسائل تک محدود کر دینا چاہتا ہے۔!!

ہاں۔ ذرا غور سے کام لیجیئے کہ یہ گہری اور تفکر طلب باتیں ہیں!

کسی صاحب نے حضرت مولانا آزاد کو لکھا کہ وہ مذہب اور پالیٹکس کو آپسمیں کیوں ملا دیتے ہیں نیز یہ دریافت کیا کہ مسلمانوں کو سیاستِ ہند میں کونسی راہِ عمل اختیار کرنی چاہیئے اسکے جواب میں وہ ارشاد فرماتے ہیں لیکن کب ؟ دورِ قومیت پرستی سے پیشتر۔

آپ فرماتے ہیں کہ پولٹیکل مباحث کو مذہبی رنگ سے الگ کر دیجئے لیکن اگر الگ کر دیں تو ہمارے پاس باقی کیا رہجاتا ہے ہم نے تو اپنے پولٹیکل خیالات بھی مذہب ہی سے سیکھے ہیں وہ مذہبی رنگ میں بلکہ مذہب کے پیدا کئے ہوئے ہیں ہم انہیں مذہب سے کیونکر الگ کر دیں؟ ہمارے عقیدہ میں تو ہر وہ خیال جو قرآن کے سوا اور کسی تعلیم گاہ سے حاصل کیا گیا ہو، ایک کفر صریح ہے۔ اور پالیٹکس بھی اسی میں داخل ہے، افسوس ہے کہ آپ حضرات نے اسلام کو کبھی بھی اسکی اصل عظمت میں نہیں دیکھا "ماقدروا اللہ حق قدرہ" ورنہ اپنی پولٹیکل پالیسی کیلئے نہ تو گورنمنٹ کے دروازے پر جھکنا پڑتا اور نہ ہندؤں کی اقتدا کرنے کی ضرورت پیش آتی۔ ....

آپکا دوسرا سوال یہ ہے کہ ہندوستان میں پولیٹیکل خیالات کے تین راستے موجود ہیں، الہلال کس راہ پر قوم کو لیجانا چاہتا ہے ..... الحمد للہ کہ ہم جناب کی قرار دی ہوئی تینوں انسانی راہوں سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے بلکہ اس چوتھی راہ الہٰی کیطرف دعوت دیتے ہیں جو قرآن کی تبلائی ہوئی راہ صراط مستقیم ہے اور ہمارا عقیدہ ہے کہ جو مسلمان اپنی کسی عمل و اعتقاد کیلئے بھی اس کتاب کے سوا کسی دوسری جماعت یا تعلیم کو اپنا رہنما بنائے وہ مسلم نہیں بلکہ شرک فی صفات اللہ کیطرح شرک فی صفات القرآن کا مجرم اور اسلئے مشرک ہے۔ اسلام اس سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے کہ اسکے پیرووں کو اپنی پولیٹیکل پالیسی قائم کرنے کیلئے ہندوؤں کی پیروی کرنی پڑے مسلمانوں کیلئے اس سے بڑھ کر کوئی شرم انگیز سوال نہیں ہوسکتا کہ وہ دوسروں کی پولیٹیکل تعلیموں کے آگے جھک کر نیا راستہ پیدا کریں، انکو کسی جماعت میں شامل ہونے کی ضرورت نہیں وہ خود دنیا کو اپنی جماعت میں شامل کرنیوالے اور اپنی راہ پر چلانے والے ہیں اور صدیوں تک چلا چکے ہیں۔ وہ خدا کے سامنے کھڑے ہوجائیں تو ساری دنیا انکے آگے کھڑی ہوجائے گی، انکا خود اپنا راستہ موجود ہے، راہ کی تلاش میں کیوں اوروں کے دروازوں پر بھٹکتے پھریں خدا انکو سربلند کرتا ہے تو وہ کیوں اپنے سروں کو جھکاتے ہیں؟ وہ خدا کی جماعت ہیں اور خدا کی غیرت اسکو کبھی گوارا نہیں کرسکتی کہ اسکی چوکھٹ پر جھکنے والوں کے سر غیروں کے آگے جھکیں۔

یہ الہلال کی پالیسی ہے اور یہی دعوت ہے جسکی طرف ہم مسلمانوں کو بلانا چاہتے ہیں یہ کسی انسانی دماغ کی اختراع نہیں اور نہ کسی انسانی گروہ کا اتباع و تقلید ہے۔ اگر مسلم لیگ مسلمانوں کی پولیٹیکل راہنمائی کرنا چاہتی ہے تو اسکو یہی راہ اختیار کرنی چاہیئے۔ (مضامین آزاد حصۂ دوم)

اسی سلسلہ میں حضرت مولانا دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔

ہم تو خود اسے مسلمانوں کی سب سے بڑی غلطی سمجھتے ہیں کہ ہمیشہ انھوں نے اپنے سامنے دو راستے ہی دیکھے۔ یا گورنمنٹ پر اعتماد اور یا ہندوؤں اور کانگرس کی شرکت یعنی ہمیشہ آزادی سیاسی (؟) کو ہندوؤں کا مرادف سمجھا مگر خود اپنے تئیں بھولے رہے اور اسلیئے بھولے رہے کہ خدا کو بھلا دیا..... اسلیئے ہماری تمام سعی وجہد کا ماحصل یہ ہے کہ مسلمانوں کو یاد دلا دیں کہ دنیا میں رہنے کے لیئے جتنی چیزیں مطلوب ہیں وہ خود انکے پاس موجود ہیں اوروں کے دروازوں کو دریوزہ گری کے لیئے کیوں تک رہے ہیں"

(الہلال ۲۹ دسمبر ۱۹۱۲ء)

یہ اقتباسات کسی تبصرہ کے محتاج نہیں۔ ارباب نظر خود اندازہ فرما سکتے ہیں کہ قرآن کریم مسلمانوں کو کس طرف لے جانا چاہتا ہے اور یہ حضرات اب کس طرف کی دعوت دے رہے ہیں سوتے کو تو جگا دینا آسان ہوتا ہے لیکن جاگنے والے کو کون جگائے؟ کہہ دیا جا سکتا ہے کہ حالات کے بدلنے سے مسلک میں تبدیلی ہو جاتی ہے لیکن جو مسلک نہ کسی انسان کے دماغ کی اختراع ہو نہ کسی جماعت کی تقلید و اتباع، بلکہ وہ خدائے حی و قیوم کے غیر متبدل قوانین کا مجموعہ ہو۔ کیا وہ حالات کے بدلنے سے ایسا بدل جایا کرتا ہے کہ ایک چیز جو ایک وقت میں عین "شرک و کفر" ہو۔ دوسرے وقت میں "اکسیر ایمان و اسلام" بنجائے؟ پھر لوالعجبی تو یہ ہے کہ آج تک ان حضرات میں سے کسی نے اتنا بھی تو نہیں بتایا کہ وہ کون سے حالات تھے جو اب بدل چکے ہیں۔ اور وہ کون سے احکامات قرآنی ہیں جنکے ماتحت اب یہ نیا مسلک جو اسوقت "کفر و شرک" کا مسلک تھا "توحید و ایمان" کا مسلک بنگیا ہے ہم تو اسی قدر سمجھ سکے ہیں کہ

شیخ ملت با حدیث دلنشیں — بر مراد او کند تجدید دیں

ایک عالم کی لغزش کا یہی خطرناک انجام ہے جسکے متعلق حضور صادق صلعم نے فرمایا ہے کہ:۔

"میں اپنی امت کے حق میں سب سے زیادہ جن چیزوں سے ڈرتا ہوں وہ تین ہیں۔

(۱) عالم کی لغزش (۲) منافق کا قرآن سے استدلال اور (۳) وہ دنیا جو تمہاری گردنیں کاٹنے لگے۔"

شعبی کی روایت میں تیسری چیز ہے "گمراہ کرنیوالے سردار" (لیڈر) " ایک دوسری حدیث میں ہے کہ:۔

"عالم کی لغزش سے بچو اور غلطی سے اسکے رجوع کا انتظار کرو۔"

ہندوستان کے مسلمان اب اس حدیث مقدس کے مطابق انتظار میں ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو کب توفیق عطا فرماتا ہے کہ یہ اپنی غلطی سے رجوع کر لیں کہ جسقدر تباہی کا موجب یہ حضرات اب تک ہو چکے ہیں قوم کے لئے وہ بھی کچھ کم نہیں۔

[illegible]

[illegible]

طلوعِ اسلام

یعنی

ہیئت اجتماعیہ اسلامیہ کا ماہوار مجلہ۔ جو اسلام کے جماعتی نصب العین کے مطابق مئی ۱۹۳۸ء سے شائع ہو رہا ہے۔

طلوعِ اسلام

کسی شخص کی ذاتی ملکیت نہیں ہے بلکہ تمام اُمتِ اسلامیہ کا مشترکہ پرچہ ہے اس کا

نصب العین

مسلمانوں میں جماعتی زندگی کا احیا، قرآن کریم کے حقائق و علوم کی اشاعت، سیاسیاتِ حاضرہ میں مسلمانوں کی صحیح اور سچی رہنمائی ہے۔

جو لوگ !

مغربی علوم و فنون سے مرعوب ہو چکے ہیں اُن کو یہ رسالہ بتائے گا کہ دُنیا خواہ کتنی ہی آگے نکل جائے قرآن کریم ہر زمانہ میں اُس سے آگے ہی نظر آئے گا۔

بلند پایہ مضامین !

کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اکثر مضامین کتابی شکل میں کئی کئی بار طبع ہو کر شائع ہو چکے ہیں۔ وہ سیاسیاتِ حاضرہ میں مسلمانوں کا سچا رہنما، بہترین شیرازہ، ان پر غور و فکر کی راہیں کشادہ کرنیوالا ہے۔

قیمت سالانہ پانچ روپیہ ﷲ/

نمونہ مُفت طلب فرما کر خریداری کا فیصلہ کیجئے! (منیجر طلوعِ اسلام بلیماران دہلی)

(مطبوعہ جید برقی پریس دھلی)